دراسات أردية

رسالة المشرق

الواقعية في غزليات راحت إندوري

د.بسنت محمد شكري (*)

ملخص :

يعد راحت إندوري واحدًا من الأصوات الشعرية الرائدة، وقد كان لشعره الغزلي – بالإضافة إلى أشعار أخرى – دور فعال في تصوير الواقع الهندي، والمتأمل في تلك الغزليات يدرك على نحو واضح وصريح ذلك الترابط الخاص بين مفهومه للشعر والمفهوم الواقعي. وقد أدى إيمانه بفكرة عرض قضايا الواقع إلى تكوين تصورات خاصة ترتبط بفكرة التجربة الحياتية، فهو يرى أن مدلولها تحت تأثير المفهوم الرومانسي لا ينحصر في حدود التجربة العاطفية وحدها، والقارئ لغزليات راحت إندورى يدرك أن هناك تقنيات إبداعية في شعره تجاوبت مع تشكيل الرؤية الموضوعية المحايدة، لذا جاء موضوع البحث بعنوان" الواقعية في غزليات راحت إندورى" وقد اشتمل البحث على ملخص باللغة العربية، والإنجليزية، والأردية، بالإضافة إلى مقدمة وفصلين تناول الفصل الأول حياة الشاعر الهندي راحت إندوري وتعليمه وإنتاجه الأدبي والجوائز التي حصل عليها، كما تناول موجز عن الواقعية في الأدب الأري، أما الفصل الثاني فكان بعنوان " الواقعية في غزليات راحت إندوري" وقد اشتمل على عرض العديد من الغزليات التي تناولت في مضمونها قضايا الواقع مع الشرح والتعليق، ثم انتهي البحث بأهم النتائج التي توصلت إليها ثم خاتمة وثبت بأهم المصادر والمراجع.

Abstract:

In today's new Ghazal, Rahat Endori's poetry is a beautiful expression of the unique style that the tradition of ghazal is a strong tradition of Indian civilization - from the beginning of Urdu ghazal to Faiz Ahmad Faiz and Foraq Impressions are gained in a fluid, global, diffused way. Special words,

---

* – مدرس اللغة الأردية والأدب الحديث – قسم اللغات الشرقية وآدابها –كلية الآداب– جامعة طنطا.

metaphors and metaphors are used by the important poets in their new imaginations and new experiences.

Rahat Endori as a poet and a person are both different personalities. Because Rahat Endori's poetry is the most popular in this era and the name of the poet who made poetry the center of his attention is Rahat Endori. Now in this article, while describing his poetic abilities, his personality is also highlighted.

This article has some critical pages on Rahat's poetry and also discusses his personality.

the research consist of the summary of research in Arabic, English, Urdu, and an introduction in addition to Two chapters of discussion:

In the first chapter, Rahat Endori's life, education, his literary and prizes obtained, and a summary of realism in Urdu literature.

The second chapter deals with the collective issues such as the realism of Rahat Endori's ghazals as well as the collective conflict and the realism of life - and then concludes the discussion with the results of the discussion and the final conclusion. I have also mentioned sources and references.

راحت اندوری کی غزلوں میں حقیقت پسندی

مقالے کا مختصر:

راحت اندوری بحیثیت شاعر اور شخص دونوں ہی الگ شخصیتیں ہیں۔ کیونکہ راحت اندوری کی شاعری اس دور میں سب سے زیادہ پسند کی جاتی ہے اور مشاعروں کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے والے شاعر کا نام راحت اندوری ہے۔ اب اس مقالہ میں ان کی شعری صلاحیتوں کو بیان کرتی ان کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کے ضمن میں ان کے ہر پہلو پر بات کی گئی ہے اور نئی غزل کا شہنشاہ کہا گیا ہے اور یہ سچ بھی ہے۔

غزل ایک صنف سخن ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب بھی ہے اور راحت اندوری بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں-راحت ہمارے عہد کے ان شعرا اور سخنوروں میں ہیں جنہوں نے اردو غزل کو جمالیاتی احساس اور فنی شائستگی سے ہمکنار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے-انہوں نے صرف اپنی منفرد سوچ اور شگفتہ و شائستہ لہجے کی شناخت کی بنیاد پر غزل کے وقار کو آگے بڑھایا ہے—انہوں نے غزل کے ایک شعر سے وہ کام لیا ہے-وہ غزل کی روایت سے منحرف ہوئے بغیر اپنے عہد کی سچائیوں اور حقیقتوں کی ترجمانی کرتے ہیں-

اس مقالے میں راحت کی غزلوں پر کچھ تنقیدی صفحے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی شخصیت پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث ایک عربی، انگریزی اور اردو میں لکھا ہوا مختصر اور دیباچہ پر مشتمل ہے اور دو فصلیں بھی: فصل اول میں راحت اندوری کی زندگی اور تعلیم، راحت اندوری کی ادبی تصانیف، راحت اندوری کے انڈین فلموں کا ایک منتخب کردہ فہرست ہے، راحت اندوری کے حاصل شدہ ایوارڈ— اور اردو ادب میں حقیقت پسندی اور اس کا مفہوم- فصل ثانی میں راحت اندوری کی غزلوں میں حقیقت پسندی اور شاعر کے اہم اشعار کو پیش کیا ہے اور ان کی شرح اور اس کا تجزیہ اور حقیقت پسندی کے موضوعات جیسے اجتماعی موضوعات اور اسی کے ساتھ اجتماعی کشمکش اور زندگی کے حقائق پرستی جیسے موضوعات کو بیان کیا ہے- اور اس کے بعد بحث کا خاتمہ پیش کیا ہے جس میں بحث سے برآمد ہونے والے نتائج اور اخیر میں حوالہ جات فہرست بھی ذکر کیا ہے.

راحت اندوری کی غزلوں میں حقیقت پسندی

دیباچہ

راحت اندوری کی زندگی ہی میں ترجمانِ حقیقت کا خطاب ان کے پڑھنے والوں نے یونہی نہیں دیا تھا،اس لیے ہمیں راحت کی غزلوں میں حقیقتِ حال یا حقیقت کی تلاش کے علاوہ اور کچھ ملتا ہے۔ حقیقت کی عکاسی اور حقیقت کی جستجو ان کے مزاج کا حصہ تھی-اس لیے ان کے ہاں حقیقت پسندی اپنے تمام پہلوئوں، زاویوں اور مرحلوں سمیت جلوہ گر ہے۔ حقیقت پسندی کا بنیادی واسطہ انسان اور انسانی زندگی سے ہے۔ وہ انسان کی انفرادیت اور اہمیت کی حقیقت جانتے تھے۔ بقول علامہ اقبال[۱]:"ان کا کہنا تھا کہ ''ہر ایک انسان اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور کسی کا وجود بے کار نہیں ہے لیکن اس حقیقت کا پتا اس وقت چلتا ہے جب ہمیں کسی شخص سے اچھی طرح سابقہ پڑے اور ہم اسے قریب سے دیکھیں۔،، [۲]

اردو میں حقیقت پسندی [3] کے رجحان کو ترقی پسند تحریک نیز مغرب میں اس دور کے جدید ادب سے منسلک کیا جاتا ہے—اصل میں اصولوں پر مبنی سچی شاعری کا آغاز تو پیغمبر اسلام کے ایماء پر تقریباً چودہ سو سال قبل ہو گیا تھا جب اسلام میں مبالغہ آرائی کو ممنوع قرار دے کر مذموم اور فرسودہ خیالات کی مذمت کی تھی— اردو کی ابتدائی شاعری جو صوفیائے کرام سے منسوب ہے، اخلاقی جذبہ سے پر ہے اور اسلامی اصولوں پر کھری اترتی ہے— مگر درباری شاعری کے چلن سے

اردو شاعری بھی شخصی مدح سرائی اور عشقیہ مضامین کے دائرے میں قید ہوتی نظر آئی۔ یہ امر بھی مسلم ہے کہ اس دور میں فن عروج کو پہنچا، زبان کو فروغ حاصل ہوا اور مخصوص موضوعات پر بھی ایسے شان دار اور جان دار شعر وجود میں آئے جو اردو ادب کا قیمتی سرمایہ بن کر محفوظ ہیں۔ حالات نے کروٹ لی اور انگریزوں کی چیرہ دستیوں کے نتیجہ میں درباروں کا زوال شروع ہوا۔ 1857ء کی آزادی جنگ[4] میں ہندوستان کی شکست، انگریزوں کے مظالم، تعلیم یافتہ طبقہ کا مغرب سے رابطہ اور دنیا میں ہونے والے انقلابات کی معلومات سے نئی تحریکات نے زور پکڑا۔ نتیجہ میں تعمیری، اخلاقی، سچی اور حالات کے تحت مقصدی شاعری کے رجحان کو فروغ دینے اور فرسودگی سے پرہیز پر زور دیا گیا جس کے لئے اصول بھی مرتب ہوئے۔ اردو شاعری میں ان تحریکات کا اثر دکھائی دیا۔ دوسری اصناف کے مقابلہ میں غزل قدم اس راہ پر بہت تیز تھے۔

آج کی نئی غزل میں راحت اندوری کی شاعری منفرد انداز کا خوبصورت اظہار ہے کہ غزل کی روایت ہندستانی تہذیب کی مضبوط روایت ہے۔ اردو غزل کی ابتدا سے فیض[٥] و فراق[٦] تک ہر اہم اور سچے شاعر نے غزل کی مقررہ لفظیات میں اپنی انفرادیت کے نقش ابھارے ہیں۔ غزل کے مخصوص الفاظ، مخصوص تلازمات اور مخصوص استعاروں کو اپنے نئے تخئیل اور نئے تجربات کو اہم شاعروں نے اس طرح برتا ہے کہ روایت کے بطن سے تازہ کار جدتیں پیدا ہوئی ہیں۔

نتیجتاً غزل کا نیا روپ اپنے منفرد خد و خال کے ساتھ ابھرا اور روایت وجدت کی ہم آہنگی سے اردو غزل کی حقیقت پسندی کے نئے باب کی تشکیل ہوئی۔ راحت اندوری اور آج کی غزل میں یہ صلاحیت ہے کہ ہر موضوع پر قابل فخر شعر موجود ہے۔

دور حاضر کی غزل گوئی کے مطالبہ کے بعد لغات میں درج غزل کے معنی و مفہوم پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ غزل مخصوص موضوعات کی قید سے پوری طرح آزاد ہے۔ غزل کی اس وسعت خیالی کو مستحکم و پائیدار بنائے رکھنے میں دور حاضر کے جو شعرا مصروف عمل ہیں ان میں ایک نام ڈاکٹر راحت اندوری کا ہے[7]۔ اس مقالہ میں راحت کی غزلوں پر کچھ تنقیدی صفحے ہیں اور ساتھ ساتھ ان کی شخصیت پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث ایک عربی، انگریزی اور اردو میں لکھا ہوا مختصر اور دیباچہ پر مشتمل ہے اور دو فصلیں بھی: فصل اول میں راحت اندوری کی

زندگی اور تعلیم، راحت اندوری کی ادبی تصانیف، راحت اندوری کے انڈین فلموں کا ایک منتخب کردہ فہرست ہے، راحت اندوری کے حاصل شدہ ایوارڈ— اور اردو ادب میں حقیقت پسندی اور اس کا مفہوم- فصل ثانی میں راحت اندوری کی غزلوں میں حقیقت پسندی اور شاعر کے اہم اشعار کو پیش کیا ہے اور ان کی شرح اور اس کا تجزیہ اور حقیقت پسندی کے موضوعات جیسے اجتماعی موضوعات اور اسی کے ساتھ اجتماعی کشمکش اور زندگی کے حقائق پرستی جیسے موضوعات کو بیان کیا ہے- اور اس کے بعد بحث کا خاتمہ پیش کیا ہے جس میں بحث سے برآمد ہونے والے نتائج اور اخیر میں حوالہ جات فہرست بھی ذکر کیا ہے.

راحت اندوری کی غزلوں میں حقیقت پسندی

فصل اوّل

(ا) راحت اندوری کی زندگی اور تعلیم:

پیدائش: راحت اندوری (1 جنوری 1950) کو اندور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد رفعت اللہ قریشی اور والدہ مقبول النساء بیگم اندور میں ایک کپڑے کی مل میں ملازم تھے۔

تعلیم: ابتدائی سکول کی تعلیم انہوں نے نوتن ھائر سیکنڈری سکول سے مکمل کی۔ 1973ء میں انہوں نے اسلامیہ کریمیہ کالج اندور سے گریجویشن کی 1975 میں برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال (مدھیہ پردیش) سے اردو ادب میں ماسٹرز کیا۔ 1985 میں بھوج یونیورسٹی مدھیہ پردیش سے اردو میں مشاعرہ پر مقالہ لکھنے پر انہیں اردو ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی[8]۔

ملازمت: ملازمت کا آغاز اندور کے ایک کالج میں اردو ادب پڑھانے سے کیا وہ مشاعروں میں بہت ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے جلد ہی وہ ملک کے مایہ ناز شاعر کے طور پر مقبول ہو گئے اور اردو لٹریچر کی ممتاز شخصیات میں ان کا شمار ہونے لگا۔ وہ دیوی اہلیہ یونیورسٹی اندور میں اردو ادب کے پروفیسر بھی تھے۔ ادب کے ساتھ ساتھ وہ سکول اور کالج لیول کی فٹ بال اور ہاکی ٹیم کے کیپٹن بھی تھے۔ انہوں نے شعر وشاعری کا آغاز کالج دور سے ہی شروع کر دیا تھا جب ان کی عمر صرف 19 برس تھی۔ وہ ایک بھارتی اردو شاعر اور ہندی فلموں کے

نغمہ نگار تھے۔ان کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں بے شمار اعزازات سے نوازا گیا۔اور ان کو بہت سے ادبی ایوارڈ دئے گئے۔ اس سے پہلے وہ اندور یونیورسٹی میں اردو ادب کے معلم تھے۔ 10 اگست 2020ء کو راحت اندوری صاحب کا کووڈ-19 کے باعث سے فوت ہو گئی اور رپورٹ مثبت آئی، نیز وہ بندش قلب کے مرض میں بھی مبتلا تھے۔ مدھیہ پردیش کے اندور کے "آربندو ہسپتال" میں داخل کیا گیا، جہاں 11 اگست 2020ء کی شام میں ان کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً 70 سال تھی[9]۔

بے شک وہ اردو زبان کے ممتاز شاعر اور انڈین فلمی گیت نگار ہیں۔

راحت اندوری کی ادبی تصانیف:

1- موجود (ہندی)، رادھا کرشن پبلیکشنز، جنوری 2015ء، انڈیا-(افسانہ)

2- دو قدم اور ساہی، پہلا ایڈیشن (ہندی)، منجول پبلیشنگ ہاوس، اگست 2017ء، انڈیا-(شعری مجموعہ)

3- رُت (ہندی)، رانی پرکاش پبلیکشنز، نومبر 2017ء، انڈیا- (شعری مجموعہ)

4- دو قدم اور ساہی، دوسرا ایڈیشن (اردو)، منجول پبلیشنگ ہاوس، دسمبر 2017ء-(شعری مجموعہ)

5- دھوپ بہت ہے، (ہندی-اردو)، ڈائمنڈ جیبی کتابیں، مارچ 2018ء، انڈیا-(شعری مجموعہ)

6- چاند پاگل ہے (ہندی-اردو)، رانی پرکاش پبلیشنگ ہاوس، اپریل 2018ء، انڈیا-(شعری مجموعہ)

7- میرے بعد، (ہندی-اردو)، راڈا کرنسٹریشن پبلیشنگ، اگست 2018ء، انڈیا- (نظموں کا مجموعہ)

8- ناراض (ہندی)، ریڈ گراب بکس ہاوس، فروری 2020ء، انڈیا-(سوانح عمری)

9- قلندر (ہندی-اردو)، ریڈ گراب بکس ہاوس، فروری 2020ء، انڈیا-(سوانح عمری)

10- مجھے سناتے رہے لوگ واقی میرا، (ہندی-اردو)، ریڈ گراب بکس ہاوس، فروری 2020ء، انڈیا-(سوانح عمری)[10]۔

ڈاکٹر راحت اندوری نے بہت سی انڈین فلموں کےلئے بھی گیت لکھے ۔ ذیل میں ایک منتخب کردہ فہرست ہے :

- جنم(1992ء)
- سر(1993ء)
- کھوددار(1994ء)
- میں کھیلادی توآناری(1994ء)
- ذی جنتلمان(1994ء)
- تاکلر(1995ء)
- رام شاسترا(1995ء)
- گوندااراج(1995ء)
- ناجائز(1995ء)
- یارآنا(1995ء)
- بے قابو(1996ء)
- چٹک(1996ء)
- ہمیشہ(1997ء)
- عشق(1997ء)
- تمنّا(1997ء)
- ہیمالای پوترا(1997ء)
- اُوزار(1997ء)
- قریب(1998ء)
- ہیروہندوستانی(1998ء)
- پریم آگّن(1998ء)
- آرزو(1999ء)
- خوف(2000ء)

- میشن کشمیر(2000ء)
- مونا بھائی ام بی بی ایس(2003ء)
- انتہاء(2003ء)
- چہرہ(2005ء)
- جرم(2005ء)
- گلی گلی چوڑ ہے(2012ء)
- بیگم جان(2017ء)[11]

راحت اندوری کے حاصل شدہ ایوارڈ :

ڈاکٹر راحت اندوری کو پیش کردہ ان گنت اعزازات میں سے کچھ ایوارڈ:

1. ہیوسٹن سٹی کونسل، ہیوسٹن امریکہ سے اعزاز
2. سعودی عرب کے سفارت خانے، ریاض سے اعزاز
3. جنگ نیوز پیپر پبلیکیشنز، کراچی، پاکستان سے اعزاز
4. ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اٹلانٹا کے گہوارہ ای ادب سے اعزاز
5. فروغ ای اردو ادب ایوارڈ-کویت
6. شاعری محفل ایوارڈ-انجمن فروغ ای اردو ادیب، کویت
7. محمد علی تاج ایوارڈ، ایم پی اردو اکیڈمی، بھوپال
8. اعزاز راجستھان اردو اکیڈمی، جے پور
9. اعزاز مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی، بھوپال
10. مولانا محمد علی جوہر ایوارڈ-جامعہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، نئی دہلی
11. ادیب بین الاقوامی ایوارڈ-ساحر کلچرل اکیڈمی، لدھیانہ
12. حق بنارسی ایوارڈ-انجمن نوائے ای حق، بنارس
13. ساہتیہ سرسوت، ہندی ساہتیہ سمیلن، پریاگ

14. اندرا گاندھی ایوارڈ، نیشنل فیڈریشن، ہلدوانی
15. پردیش رتنا، ہندی ساہتیہ پریشد، بھوپال
16. قومی یکجہتی ایوارڈ، انڈین کلچرل سوسائٹی، نئی دہلی
17. یوپی ہندی اردو ساہتیہ ایوارڈ، گورنمنٹ اترپردیش، لکھنؤ کا
18. راجیو گاندھی ادبی ایوارڈ، ہم سب ایک ہی، بھوپال
19. اردو شاعری، سوشل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن (SEWA) ، ممبئی میں ایکسی لینس کا ایوارڈ
20. سدبھاونا ایوارڈ، بزم ای گنگو جامان، اُجاین
21. آفاق حیدر ایوارڈ، شمیم مومن میموریل فاؤنڈیشن، ورنائ
22. فانی اے شکیل ایوارڈ، ڈاکٹر ارملیش جان چیتنا سمیتی، بدون
23. نشور واحدی ایوارڈ، نیشنل بک فیئر ٹرسٹ، کانپور
24. نیتاجی سبھاش ایلنکرن، سبھاش منچ، اندور
25. ڈاکٹر ذاکر حسین ایوارڈ، نئی دہلی
26. نشان ای اعجاز، ڈاکٹر شکیل ویلفیئر ایجوکیشنل سوسائٹی، بریلی
27. کیفی اعظمی ایوارڈ، بھارتیہ راشٹریہ ایکتا پریشد، وارانسی
28. اردو ایوارڈ، جھانسی
29. عشرت ایوارڈ، وارانسی
30. کبیر سمن واڈیز ہندی سکش سمیتی، جموں کشمیر
31. جگجیت سنگھ ایوارڈ، نرملا دیوی فاؤنڈیشن
32. اندور رتنا ڈائنک دبنگ دنیا، اندور
33. راشٹریہ ایکتا واماناوتا سمن، ینگ انڈین سوشل سوسائٹی، امراوتی
34. کمال مدراسی میموریل ایوارڈ۔ پنجاب ایسوسی ایشن اور کمال اردو اکیڈمی، چنئی
35. مرزا غالب ایوارڈ، جھانسی [12]

(ب) اردو ادب میں حقیقت پسندی:

ادب اور فن کی تنقید و تحقیق میں حقیقت پسندی کی اصطلاح ایسے ادب کو الگ کر کے دیکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو زندگی کو بعینہ منعکس کرتا ہو۔ حقیقت پسندی کی اصطلاح کے اطلاق میں اگرچہ زیادہ تخصیص سے کام نہیں لیا جاتا تاہم اسے رومانویت، مثالیت اور فراریت کے متضاد خیال کیا جاتا ہے۔ ان ساری اصطلاحات سے مراد زندگی کے تلخ حقائق سے منہ موڑ کر تخیل کی دنیا میں پناہ لینا ہے۔

دراصل حقیقت پسندی کے مختلف مرحلے یا درجے ہو سکتے ہیں جن میں سے پہلا درجہ: تو یہ ہے کہ دنیاوی حقائق اور مظاہر کو مشاہداتی سطح پر اپنی رائے کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس طرح پیش کیا جائے جیسا کہ وہ معروضی اور مادی طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر کو تصویری حقیقت پسندی یا فطرت پسندی بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا درجہ: ان تخلیق کاروں کی توضیح کرتا ہے جو ادب کو فراریت سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں حقیقت پسندی کا مطلب ان ناخوشگوار تفصیلات اور متغیر رویوں کا تخلیقی سطح پر ادراک ہے جن کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب ہوا کرتا ہے چنانچہ ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ادب میں حقیقت پسندی ایک رجحان کا نام ہے جو رومانوی یا جذباتی ہوئے بغیر زندگی کو زندگی کی طرح منعکس کرتے ہوئے فطرت کی اس کے سارے پہلوؤں سمیت ممکنہ حد تک دیانت داری سے تصویر کشی کی ترغیب دیتا ہے۔ حقیقت پسند حقائق کو مثالیت کی اس سطح پر برتنے پر یقین نہیں رکھتے کہ جمالیاتی پہلو مافوق الفطرت اور نزولی مواد کے اظہار میں ضرورت سے زیادہ در آئے[13]۔

حقیقت پسندی کا ایک مترادف واقعیت پسندی بھی ہے مگر ایک دبستان ادبی سیاق و سباق میں یہ سمجھتا ہے کہ حقیقت پسندی کا مطلب زندگی کی ہو بہو عکاسی نہیں ہے۔ یہ معاشرت اور زندگی کے اسرار و رموز کو اپنے زاویے سے سمجھنے کا نام ہے۔ کوئی بھی حقیقت نگار اپنی افتادِ طبع کے پیش نظر زندگی کے کسی خاص پہلو یا پہلوؤں کو اپنے انفرادی انداز میں بیان کرتا ہے یا کر سکتا ہے۔ بس اتنا ہے کہ اس کا اندازِ بیان ایسا ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہو اس پر حقیقت یا اصلیت کا گمان ہو[14]۔

حقیقت پسندی(Realism) کی تحریک انیسویں صدی عیسوی میں فرانس میں شروع ہوئی۔جس نے نا صرف مغربی ادب کو متاثر کیا بلکہ مشرقی ادب(اردو ادب)پر بھی اس نے اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔حقیقت پسندی سے مراد کسی شے یاحالات وواقعات کو اس کے حقیقی خدو خال کے ساتھ پیش کرنا یا ظاہر کرتا ہے۔یعنی ادب میں حقائق کو قارئین یا ناظرین کے سامنے اس طرح پیش کرنا جیسے کہ وہ درحقیقت وقوع ہوتے ہیں، خواہ وہ حقائق کتنے ہی تلخ اور ناگوار کیوں نہ ہوں۔حقیقت پسندی کی ابتداء تو فرانس سے ہوئی مگر اس کا باضابطہ آغاز کس مصنف نے کیا اس بارے میں محققین کسی ایک نام پر متفق نہیں[15]۔

ایسا بھی نہیں کہ حقیقت پسندی ان سے پہلے ادب میں موجود ہی نہ تھی۔دراصل ادب سدا سے ہی زندگی کا مرقّع رہاہے،اس لیے دیومالائی قصے ہوں یا لوک داستانیں، قدیم رزمیے ہوں یالوک گیت ان ساری اصنافِ سخن میں آپ کو حقیقی زندگی کے مسائل کی جھلک دکھائی دے گی۔ یہاں تک کہ طلسم ہوشر جیسی داستانوں کے فرضی واقعات اور کرداروں کی فرضی صلاحیتوں نے عہدِ جدید میں حقیقت کاروپ دھار لیاہے اور وہ اب اتنے محیر العقول نہیں لگتے یعنی وہ مفروضے بھی دراصل حقیقت کے حصول کی ایک کوشش ہی تھے۔ادب میں بہرحال آپ کو حقیقت پسندی کا سراغ صدیوں پہلے لکھی گئی اور ہم تک پہنچنے والی ہر تحریر میں مل جائے گا چاہے وہ نظم میں ہو یا نثر میں، وہ انسانی تحریر ہو یا الہامی، اس کا تعلق فرد اور معاشرے سے ضرور نکل آئے گا۔[16]

حقیقت پسندی کی تحریک شعوری طور پر 1830ء کے بعد فرانسیسی انقلاب کے بعد شروع ہوئی اور 1850ء سے لے کر 1880ء تک اس کا یورپ میں بہت چرچا رہا۔ابتداءہی سے اس تحریک کے پیروکاروں پر اعتراضات بھی شروع ہوگئے تھے کیونکہ اس تحریک کے محرکات کو یا تو سمجھا ہی نہیں گیا یا اس کی توضیحات میں کوئی کمی رہ گئی۔ بعض ادبی حلقوں نے اسے ادب کے بنیادی شعائر کی خلاف ورزی قرار دیا۔وہ اسے انسانی فطرت کی تذلیل بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں حقیقت پرستی، غیر معمولی، پیچیدہ، منفرد اور قابل تعریف کرداروں کو نظرانداز کرنے کا نام تھا۔اس طرح ادب پارہ

کسی ایسے میں پوشیدہ تخلیقی ترفع سے محروم رہ سکتا تھا۔ انسان کا بے ساختہ پن مجروح ہوتا تھا اور یوں حقیقت پسندی کے نام پر اس نوعیت کا تخلیقی تجربہ جمالیاتی حظ سے خالی رہ کر صحافیانہ و قائع نگاری کی سطح سے اوپر اٹھنے کے قابل نہ رہ پاتا۔[17]

اس تنقید کے باوجود حقیقت پسندی ادب کا ایک نمایاں رجحان رہا ہے اور اس کے اثرات قبول کرنے والوں میں بالزاک[18] استے دال [19] اور فلابیر[20] بھی شامل ہو گئے۔ جنھوں نے فردیت اور موضوعیت کی بجائے معروضیت اور لاشخصیت کو فروغ دیتے ہوئے زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو اپنی تحریروں میں اجاگر کیا۔ وہ ایک حقیقت نگار کے طور پر انسانی میلانات، سماجی ماحول اور معاشرتی روایات کو کام میں لائے۔ انھوں نے اعتقادات اور فطرت کے جمالیاتی پہلوؤں کو آمیز کر کے اپنا اسلوب تراشا۔ انھوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں کو حقیقت کے قریب لانے کے لیے اپنی ذاتی یادداشتوں اور سوانحی پہلوئوں کو ان میں سمو دیا تاکہ فرد اور معاشرے کی صحیح عکاسی ہو سکے۔ ایسے ناول نگاروں میں ڈکنز[21]، گوگول[22]، ٹالسٹائی[23]، دوستوفسکی[24]، مارک ٹوین[25] اور میلول[26] بھی شامل ہیں جنھوں نے زندگی کی تلخیوں، فرد کی بے بسی، سیاسی جبر اور سطحی پہلوئوں پر توجہ دے کر حقیقت پسندی کو تخلیقی ترفع عطا کیا ہے۔[27]

مغرب میں حقیقت پسندی صرف شاعری اور ناول نگاری تک محدود نہ رہی بلکہ آرٹ کی دیگر جہتوں ڈرامہ اور فنِ مصوری میں بھی فروغ کا رجحان پایا۔ یہ تو تھا حقیقت پسندی کا مغرب کے ساتھ تعلق اور تعارف۔ مگر حقیقت پسندی کا باقاعدہ آغاز کس مصنف نے کیا اس بارے فیصلہ کرنا کچھ مشکل ہے۔ اور مشرق (ہندستان) چونکہ اس وقت مغربی قوتوں اور برطانوی تخت کے زیرِ تسلط تھا اس لیے مغرب کے مشرق میں وارد ہونے والے دیگر رجحانات کی طرح ادب و ثقافت اور مغربی ادب کے اثرات بھی ہندوستانی سماج اور ادب پر پڑے۔ مغربی ادب کے انگریزی سے اردو میں تراجم ہونے لگے۔ اور اس لیے مغربی ادبی تحاریک اور رجحانات مثلاً ترقی پسند تحریک[28]۔ فطرت نگاری[29]۔ علامت نگاری اور حقیقت پسندی کے اثرات بھی ہندوستانی ادب (اردو ادب) پر بہت گہرے پڑے۔ جہاں

تک اُردو ادب میں حقیقت پسندی کا تعلق ہے تو یہاں بھی اسے نمودار کرنے کے حوالے سے محققین کسی ایک نام پر متفق نہیں۔کچھ محقق اس کی رونمائی پریم چند[30] کے قلم سے منسوب کرتے ہیں تو کچھ اس کی ابتداء سر سیّد احمد خان [31]کے ہاتھوں سمجھتے ہیں[32]۔

اردو ادب میں بعض محققین اوّلین حقیقیت نگاروں میں سر سیّد احمد خان کو قابلِ ذکر ٹھہراتے ہیں اور اُن کی تحریک علی گڑھ کو حقیقت پسندی کی اساس قرار دیتے ہیں۔چونکہ رومانی تحریک نے ادب اور شاعری کی دنیا میں جو انقلاب بپا کیا تھا اُس نے زندگی کے مادی بوجھ سے کسی حد تک نجات حاصل کر کے آسمانی رفعتوں میں پرواز کا رجحان تو پیدا کیا، مگر حقیقت پسندی رومانی تحریک کے پہلو بہ پہلو پر عمل نظر آئی۔ایک لحاظ سے حقیقت پسندی رومانی تحریک کی ضد تھی اور بجائے قیاس اور تصوّر کے زندگی کو اس کے اصل رنگ و روپ میں پیش کرنے کی سعی میں نظر آ رہی تھی، دراصل حقیقت پسندی کا جزوِ خاص ہی زندگی کو اس کے اصل رنگوں میں پیش کرنا ہے[33]۔

اگر ہم پریم چند کے بجائے علی گڑھ کی تحریک[34] کو حقیقت پسندی کی ابتداء سمجھیں تو اس کے لیے مندرجہ ذیل وجوہات کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے ذہنوں پر انتہائی قدامت پسندی کا غلبہ تھا۔معاشی تزلزل اور سیاسی ابتری نے مسلمانوں کو ذہنی امراض سے دو چار کردیا تھا۔وہ بد دل ہو کر روشن خیالی اور ترقی سے آنکھیں چرانے لگے تھے۔اس زمانے میں وہاں کی ادبی روایت بھی کچھ صحت مند بنیادوں پر استوار نہ تھی جس کی بدولت وہ صحت مند افکار کی تبلیغ وتشہیر سے قاصر تھی۔ ان حالات میں سر سیّد احمد خان نے ادب کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کی افادیت کو برتا جس کے نتیجے میں انہوں نے اردو ادب کو رومانیت کے تخیل و تصور کے بجائے حقیقت پسندی کا طرز دیا[35]۔

مگر حقیقت پسندی کے حوالے سے جو پختہ اور صحت افزاء ادب پریم چند نے تخلیق کیا، وہ یقینا اپنی مثال آپ ہے۔پریم چند سے پہلے اردو ادب کا محور رومانیت کے گرد گھومتا تھا مگرلیکن پریم چند نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں گاؤں اور شہر کی زندگی کے حقیقی عکس پیش کیے۔ بطور حقیقت نگار پریم چند کی انفرادیت یہ کہ انہوں نے بجائے کسی ایک قوم، ذات، فرقہ دھرم اور مذہب کے تمام انسانوں اور معاشرے سے جڑے ہر فرد اور تمام انسانوں کو در پیش مسائل اور سماجی برائیوں کی نشاندہی کی۔[36]

درحقیقت پریم چند نے دیہی معاشرے اور شہروں میں پھیلے صنعتی نظام کے تضاد اوراس عہد میں پھیلی سماجی برائیوں اور سیاسی، معاشی اورسماجی زندگی کے آشوب اور عوامی جدو جہد کو حقیقت پسندانہ ڈھنگ سے پیش کیا- اپنے کئی شہرۂ آفاق ناولوں اور افسانوں میں پریم چند نے دیہی زندگی کے بنیادی،سماجی مسائل کوموضوع بنایا اور جاگیردارانہ ، سرمایا دارانہ نظام کے ظلم و ستم اور مذہب، دھرم اور ذات پات سے پیدا ہونے والے مسائل اور برائیوں کو حقیقت پسندی کا چولہ پہنا کر قارئین کے سامنے لے آئے۔پریم چند کے حقیقت پسندی کے رنگ میں ڈوبے کچھ شاہکار افسانے درج ذیل ہیں۔نمک کا داروغہ۔کفن۔ عید گاہ۔ دو بہنیں۔ پگلی۔ تصویرِ حسرت۔ تصویرِ خودداری ۔دینداری۔ انسان کی قیمت۔غریبی کا انعام۔ وہ محبت کی پتلی۔انسان نما حیوان۔شطرنج کے کھلاڑی۔کفّارہ۔ منتر اور نجات قابلِ ذکر ہیں۔اس کے علاوہ پریم چند نے ہندوستان کی عورت کے دکھ درد اور اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے بیہمانہ سلوک کو اپنے نالوں اور افسانوں کا موضوع بنایا۔ پریم چند کے یہ ناول اورافسانے حقیقت پسندی کی عمدہ اور بے نظیر مثالیں ہیں[37]۔

اردو ادب میں پریم چند کے علاوہ اور بھی کئی نام قابلِ ذکر ہیں جن کا حقیقت پسندی کے حوالے سے کردار اہمیت کا حامل ہے ان میں منٹو[38] اور دیگر بھی کئی نام ہیں مگر منٹو کا نام حقیقت پسندی کے حوالے سے پریم چند کے بعد لیا جا سکتا ہے۔منٹو کے افسانوں میں بھی بہت سے ایسے کردار ملتے ہیں جو سماجی اور معاشی ناہمواریوں کی تصویر کشی کرتے ہیں۔منٹو کی تحریروں میں جہاں جنسی برائیوں کی نشاندہی کی گئی وہیں انسانی نفسیات کا گہرا مشاہدہ بھی ملتا ہے۔منٹو کے ہاں بھی سماجی اور معاشی ناہمواری کے اثرات، مذہبی تفریق اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر تقسیمِ ہند کے دوران پیدا ہونے والے المیوں نے منٹو کو اپنے افسانوں میں حقیقت پسندی کے انتہائی تلخ رنگ بھرنے پر مجبور کردیا[39]۔

اردو میں پنڈت رتن ناتھ سرشار[40] کا فسانۂ آزاد اور اس کے دوسرے ناول جیسے 'جامِ سرشار' اور 'سیرِ کہسار' حقیقت پسندی کی مثال ہیں۔چاہے آپ انھیں جدید معنوں میں ناول ماننے سے انکار کریں تو بھی وہ حقیقت پسندی کی اردو نالوں میں اوّلیں مثالیں سمجھے جائیں گے۔ مرزا محمد ہادی رسوا[41] کا ناول امراؤ جان ادا، سماجی حقیقت پسندی کا مرقع ہے اور نذیر احمد[42] کے مقصدی اور اصلاحی ناول بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔[43]

اُردو نثر کے علاوہ اُردو شاعری میں بھی بہت سے نام ایسے ہیں جو حقیقت پسندی سے جڑے ہوئے ہیں ۔اس سلسلے میں نظیر اکبر آبادی[44] کو محققین نے خاص اہمیت دی۔بقول نظیر صدیقی:"اٹھارہویں صدی عیسوی میں نظیر اکبر آبادی حقیقت پسندی کی ایک مستثنیٰ مثال نظر آتے ہیں"[45]

شاعری میں بھی سارے کلاسیکی اردو شعرا میں آپ کو حقیقت پسندی کی مثالیں بغیر ڈھونڈے مل جائیں گی۔ میر[46]، آتش[47]، مصحفی[48] اور پھر غالب[49] بھی اپنی تمام نفاست پسندیوں کے باوجود حقیقت پسندی سے یکسر خالی نہیں ہیں اور نظیر اکبرآبادی تو اوّل وآخر حقیقت نگار ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کے علی گڑھ تحریک کے شعراء کے علاوہ علامہ اقبال نے اردو ادب میں شاعری کو سچ بولنا سکھایااور اشعار کے پردوں میں کئی جیتے جاگتے پیکر تراشے جو اُردو ادب میں حقیقت پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔اقبال نے ایک عام آدمی کو شدید احساسِ

کمتری سے نجات دلا کر اُس میں خود داری و خود اعتمادی اور خود شناسی کا جوہر پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ساتھ ہی زندگی کے حقائق کو اس انداز میں پیش کیا کہ زندگی حقیقت بن کر اُبھر آئی۔اقبال کا یہ اقدام فرد کی انفرادیت کو منظرِ عام پر لانے کی ایک کاوش تھی"(50)

فصل ثانی : راحت اندوری کی غزلوں میں حقیقت پسندی :

راحت اندوری کی شاعری اور شعر پارے محض برائے شاعری ہی نہیں ہیں بلکہ اردو شاعری جدید روایت اور دستور کے ترجمان ہیں۔اس وقت انسانیت، عوام و خواص، بڑی طاقتوں کے ظلم وجور سے تنگ آدمیت جن حالات سے دوچار تھی، اس کے بعد جو مسائل درآئے تھے اور انھوں نے گھروں وآبادیوں کو نکلنا شروع کر دیا تھا، ان سب کی عکس بندیاں ہمیں راحت کی شاعری میں ملتے ہیں۔ اگر دو لفظوں میں کہا جائے تو راحت کی شاعری ایک گہرے دکھ اور کرب کا عنوان ہے اور اس فرض کی ادائیگی جو ان حالات میں واجب ہو چکا تھا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ راحت کے اس اظہار دردوکرب کے احساس نے اردو شاعری کو جدید غزل کا راستہ دکھا دیا۔

راحت اندوری کو ہم اوّل وآخر ایک حقیقت نگار نہیں، بلکہ حقیقت پسندی تک کہہ سکتے ہیں۔راحت کی غزل میں حقیقت پسندی جیسے زندگی کی قوت، عصری حقیقتوں کا ادراک، اپنی تہذیبی یاد داشت اور مذہبی روحانیت کا ایسا خوب صورت امتزاج ہے کہ موضوعات کے لحاظ سے بھی ان کی غزلوں میں انسانی زندگی موجود ہے— غزل کا خالص منظر نگاری(51)، اور رومانی اسلوب زندگیوں کی بے رحم حقیقتوں اور عصری عقلیت سے ہم آہنگ ہو کر آج کے انسان کا داخلی منظر نامہ ہی راحت کی غزل ہے—

ان کی غزل کی کامیابی کی دو بنیادیں ہیں- پہلی خوبی یہ ہے کہ ان کی تربیت غزل کی اعلی اور زندہ روایتوں میں ہوئی اور دوسری خوبی یہ ہے کہ ان کی بلا کی انفرادیت اجتماعی شعور سے بے نیاز نہیں ہے—لیکن اپنے لئے وہ ایسا سچ تلاش کرتے ہیں جو آج کے انسان کے دکھ سکھ، آرزؤں، خوابوں، فکروں اور اندیشوں کا سچ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ راحت کی حقیقت پسندی کی انفرادی شاعر مقبول عام، اور پسندیدہء خواص کے مدارج سے بیک وقت کامیابوں کے ساتھ گزر جاتی ہے—

ان کی غزل میں تخئیل کی ندرت اور اظہار کی جدت کا امتزاج ان کے بے شمار اشعار میں ہے— وہ اپنے احساسات کو جن عصری منظروں سے پیش کرتے ہیں وہ کبھی گرد و بیش کی نئی زندگی کا نمونہ ہوتے ہیں اور ان کے ماضی کی تہذیبی یادوں کے خزینے سے بر آمد ہوتے ہیں— مگر اعلی شاعری کی خوبی ہے کہ اس میں منظر، پس منظر ہو جاتے ہیں اور منظر میں انسان اپنے دکھ سکھ کے ساتھ زیادہ روشن ہو جاتا ہے (52)—

راحت کے اشعار کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ راحت کی زبان سے ادا ہوتے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں یا یوں کہہ لیں کہ راحت کے انداز سخن نے بھی ان کے اشعار کو مقبولیت عطا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ راحت کے اشعار اتنے عام فہم ہیں کہ ایک کم اردو جاننے والا بھی انھیں بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ آسان لفظوں میں بڑی باتیں کہہ دینا فن ہے اور اس فن میں راحت کو مہارت حاصل تھی۔ ان کے کچھ اشعار دیکھیں:

گھر سے یہ سوچ کے نکلا ہوں کہ مر جانا ہے
اب کوئی راہ دکھا دے کہ کدھر جانا ہے
جسم سے ساتھ نبھانے کی مت امید رکھو
اس مسافر کو تو رستے میں ٹھہر جانا ہے (53)

ان اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ تصویر درد، دراصل صدائے خون ودرد ہی کا تسلسل ہے، اور "گھر، راہ، جسم، مسافر" کے کتنے ہی مقامات ہیں جو مادی ہیں، اور "سوچ، مر جانا، اُمید" جو مادی بھی نہیں ہیں مگر ہم انھیں حقیقی سمجھتے ہیں اور یہ معاملات راحت کے قلم کی دسترس میں رہے اس شعر میں بھی شاعر نے خود کو اس سماجی اور مذہبی کشمکش میں ہر شے کی حقیقت کہا ہے۔ یہ غزل راحت اندوری کے اس دور کی سیاسی اور مذہبی واقعات ہے جب وہ حقیقت کی تلاش میں سر گرداں تھا۔

راحت اندوری ایسے خوش نصیب شاعر ہیں کہ مجموعی طور پر ان کے وہ شعر عوام میں مشاعروں کے وسیلے سے مشہور ہوئے ہیں جو سینے سینے سفر کریں یا کاغذ پر آئیں تو اپنی شاعرانہ صداقت کی وجہ سے اور آج کی غزل کے سرمایہ کا حصہ ہو جائیں۔ ان کے اشعار ضرور ملاحظہ کیا جاتا ہے:

ہمیں حقیر نہ جانو ہم اپنے نیزے سے
غزل کی آنکھ میں کاجل لگانے والے ہیں (54)

شاعری عوام کے لیے پیغام بھی ہے—اسی لئے موضوع کی اہمیت سب سے زیادہ ہے—سماج کی سچی تصویر پیش کرنے میں حقیقت پسندی ہے سب سے اہم رول ادا کرتا ہے—اس بات کو مدِ نظر رکھ کر کہا جاتا ہے "ادب سماج کا آئینہ ہے"، راحت اپنی غزل میں تصویر درد کے ایک بند میں اپنے عزم کا اظہار ایک مثالیت پسند اور صاحبِ فکر و عمل کے طور پر کرتا ہے۔اس بند کے جلنے والے اور غریبی لوگوں کے بارے میں ان کی بطور شاعر اپنی شخصیت پر یقین کی غماز ہے -

راحت کی شاعری کو سمجھنے کے لیے موضوعات کا جائزہ بھی ضروری ہے، راحت اندوری کی غزلوں میں انسانی جذبات وکیفیات کا ایک ایسا جدید سیل رواں ہے جہاں فرسودگی کا وجود ہی دم توڑ دیتا ہے—

زندگی بھر دور رہنے کی سزائیں رہ گئیں

میرے کیسہ میں مری وفائیں رہ گئیں

نوجواں بیٹوں کو شہروں کے تماشے لے اڑے

گاؤں کی جھولی میں کچھ مجبور مائیں رہ گئیں(55)

حقیقت کی تلاش کے لیے یہ تجسس ان کی غزل میں "زندگی، سزائیں، وفائیں، نوجواں بیٹوں، شہروں، گاؤں، مجبور مائیں" میں بھی نمایاں ہے۔راحت رنج و غم سے طبیعت کو بوجھل نہیں کرتا بلکہ دکھوں اور تلخیوں کے ادراک سے ان میں رفعتوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اپنی غزل میں وہ کہہ اٹھتا ہے کہ "زندگی بھر دور رہنے کی سزائیں رہ گئیں، گاؤں کی جھولی میں کچھ مجبور مائیں رہ گئیں" زندگی کا غم سے بلکہ وہ تو درد کے حوالے سے ابدیت اور ہیشگی کے حصول کی خواہش رکھتا ہے-

ہم ضرور جانتے ہیں کہ تغزل شعر کے جسم کی روح ہے—اور راحت اندوری کے چند منفرد اشعار کے وسیلے سے میں بات کرتی ہوں، وہ کہتے ہیں:

ہمارے صحن کی مہندی پہ ہے نظر اس کی

زمین دار کی نیت خراب ہے بیٹا(56)

یہ اداسی اور بے بسی کا شعر ہے اس لئے رجزیہ لہجے میں پڑھنے سے رجزیہ ہو جاتا ہے، ورنہ اس کا حسن غریبی کی اداسی کا لہجہ ہے،اس مضمون کا شعر اسی اسلوب میں اردو میں آسانی سے نہیں مل سکتا— اور وہ بھی کہتے ہیں:

زندگی کو زخم کی لذت سے مت محروم کر
راستے کے پتھروں سے خیریت معلوم کر(57)

یہ شعر کا مفہوم اور مرکزی خیال قدیم غزل کا محبوب خیال ہے کہ زندگی غم سے عبارت ہے۔ لیکن دوسرے مصرعے میں اظہار کی جدت ہے—راستے کے پتھروں سے خیریت معلوم کر، یعنی راحت کو روایت میں جدت اظہار کے رچانے اور بسانے کا فن آتا ہے— یہی بات اس شعر کے لئے بھی کہی جاسکتی ہے— یہ ہمارے عہد کا اضافہ ہے کہ بہت سے ایسے مضامین جو قدیم اور عظیم غزل میں بزرگوں نے نہ کے برابر کہے تھے، اس کو بھرپور انسانیت شرافت اور فن کارانہ شعریت کے ساتھ راحت نے اس شعر میں ایسا کہا کہ اب مشاعرے کا ہر شاعر اس شعر کا ترجمہ نظم کرتا ہے—

میں پتھروں کی طرح گونگے سامعین میں تھا
مجھے سناتے رہے لوگ واقعہ میرا(58)

یہ شعر سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے حالات کی سختی اس کے نزدیک ایک حقیقت ضرور ہے کوئی نہیں غم گسارِ انسان لیکن روزگارِ انسان تلخ ہے، کیونکہ وہ غم کو اپنے حواسوں پر طاری ہونے نہیں دیتا اور انھیں بعض اوقات صرف چھو کر ہی گزر جاتا ہے۔ مجھے لوگ میرا واقعہ سناتے رہے، میں ہی وہ کہہ رہا ہے کہ نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے۔اور دوسری طرف ایک غزل میں اک ذرا افسردگی اپنے تماشائوں میں تھی، انہوں نے کہا:

ہم زمینیں ناپنے والوں کو سب کچھ ہے خبر
کس جگہ پانی رکھا ہے اور کہاں کہسار ہے(59)
ہم فقیروں کے لئے تو ساری دنیا ایک ہے
ہم جہاں جائیں گے اپنا گھر اٹھالے جائیں گے(60)

راحت نے ہجرت پکارنے والوں کو بتایا ہے کہ فقیر اپنی روٹی روزی کے لئے اپنے پھٹے شامیانے لے کر جو جگہیں، شہر یا ملک بدلتے ہیں وہ ہجرت نہیں ہے، ہجرت کا لفظ آئے بغیر اس تصور کو واضح کر دینا اشاریت اور حقیقت پسندی کا فن ہے—

اب اپنے بیچ مراسم نہیں، عداوت ہے
مگر یہ بات ہمارے ہی درمیان رہے

اب کے بارش میں نہانے کا مزہ آئے گا
بے لباسی کی طرح گھر کی کھلی چھت ہوگی[61]

ان اشعار کو پڑھنے کے بعد ہندوستان کا صحیح نقشہ نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ان اشعار میں مبالغہ بہت کم ہے شاعر نے زیادہ تر مشاہدات کی روشنی میں کشمکش کی تصویر کشی کی ہے یہی فلسفۂ غم راحت کی شاعری میں غالب ہے۔ وہ ایسی دنیا کے غم میں مگن ضرور رہتے ہیں۔ لیکن ایک خاص ادائے بے نیازی کے ساتھ ساتھ وہ تمام انسانیت کے لیے ایسا دل رکھتے تھے جو دھڑکن سے تعبیر ہے۔ وہ اپنے انوکھے غم کا اس طرح اظہار کرتے کہ یہ آہ جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے کی شکل پیدا کر لیتی ہے اور یہی دراصل شاعر کا مقصد ہے کہ وہ تاثیر غم چاہتا ہے۔

اچھا شعر کبھی کبھی مادی دنیا سے اپنے تخیل کی اڑان میں سات آسمانوں کی سیر کرتا ہے — اچھا شعر واقعہ نگاری (حقیقت پسندی) بلکہ تخیل کی بلند پروازی ہے اور اس بلند پروازی کو نئے جہاں دریافت کرنے سے پہچانا جاتا ہے- راحت کا یہ شعر اس معیار پر پورا اترتا ہے وہ کہتے ہیں:

کئی دن سے مرے اندر کی مسجد
خدا بیزار ہوتی جا رہی ہے
مسائل، جنگ، خوشبو، رنگ، موسم
غزل اخبار ہوتی جا رہی ہے
بہت کانٹوں بھری دنیا ہے لیکن
گلے کا ہار ہوتی جا رہی ہے[62]

"دن، مسجد، خدا، جنگ، رنگ، موسم، اخبار، دنیا، ہار" کے کتنے ہی مقامات ہیں جو ہم انھیں حقیقی سمجھتے ہیں اور یہ الفاظ راحت کی غزل کی دسترس میں رہے۔ یعنی دنیاوی زندگی کے تمام مسائل حقیقت نگاری بھی ممکن ہے۔ شاید اثباتیت بھی حقیقت پسندی ہی کا ایک پہلو ہے کہ اس کے بغیر زندگی لایعنی ہو جاتی ہے جبکہ حقیقت پسندی بہر حال زندگی آمیز اور زندگی افروز ہوتی ہے یا اسے ایسا ہونا چاہیے- اس غزل پر ذرا سا اور غور کیا جائے تو اس میں معاشرے کے حوالے سے اجتماعی فلاح اور خیر کی برتری کی خواہش بھی زیریں رو کے طور پر موجود ہے اور اس طرح یہ اندازِ نظر مثالیت پسندانہ حقیقت پسندی کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

آنکھ میں پانی رکھو ہونٹوں پہ چنگاری رکھو
زندہ رہنا ہے تو ترکیبیں بہت ساری رکھو
راہ کے پتھر سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں منزلیں
راستے آواز دیتے ہیں سفر جاری رکھو (63)

راحت شعر وادب کی ریڈی میڈ شاہراہوں کا قائل نہیں وہ اس پگڈنڈی کا عاشق ہے جو خود اس کے اپنے نقوشِ پا سے ابھرے آئی ہے —اسے قافلوں کی آواز جرس سے زیادہ اپنے پیروں کی آہٹیں پیاری ہیں- وہ رفاقتوں کا نہیں بلکہ ان فرقتوں اور خلوتوں کا طالب اور رسیا ہے جن کا عذابِ مسلسل اور استبدادِ پیہم اسے صبار فتار اور مستند کر دے—

ایک ہی ندی کے ہیں یہ دو کنارے دوستو
دوستانہ زندگی سے موت سے یاری رکھو
آتے جاتے پل یہ کہتے ہیں ہمارے کان میں
کوچ کا اعلان ہونے کو ہے تیاری رکھو (64)

یہ شعر سے واضح ہوتا ہے کہ راحت کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کی شاعری دلوں کی شاعری ہے اور ان کی غزلوں کا آہنگ، وقت کی آواز ہے۔ زندگی میں رونما ہونے والے واقعات، وتجربات، ان کے شعری اسلوب میں ڈھل گئے۔انہوں نے دل کی ہر کسک، ہر احساس اور ہر تڑپ کو شعری پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف راحت کا یہ خیال بھی ہے کہ شاعری کا منطقی ہونا ضروری نہیں۔ حالانکہ شاعری رفعتِ تخیل کی پیداوار ہے اس لیے اس کا جمالیاتی پہلو زیادہ پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ کسی شاعر کی عظمت ان اشعار سے طے نہیں ہوتی جن میں مادی صداقتوں کی ترجمانی ہوئی ہو بلکہ راحت نے شاعری میں کسی قدر ابہام اور مخفی پیرائے کی قدر دانی کا سبق دیا ہے، کیونکہ اس طرح وہ جذبات کے لحاظ سے زیادہ عمیق ہوتا ہے۔ دوسری طرف راحت معاشرتی ارتقاء کی خاطر معجزات پر ایمان کو بڑی حد تک لازمی محسوس سمجھتا ہے-

ان کی شاعری معیاری اور جدیدیت کے رنگ سے مزین تھی۔ جدید تصورات کے رجحانات کی عکاسی ان کے اشعار میں نمایاں طور پر موجود ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ان کے یہاں میر کا سوز وگداز، مومن کے طرز، غالب کی خیال آفرینی اور داغ کی شگفتہ بیانی کے ساتھ جدیدیت کی لے بھرپور طریقے سے موجود ہے۔انہوں نے اسی قدیم روایت میں تجدد کا

راستہ اختیار کیا اور شعر و سخن کو نئی فکروں کا محور بنادیا۔ قدیم وجدید اور روایت میں تجدد کی آمیزش نے ان کے کلام کو سحر طرازی کا عنوان بخشا ہے، وہ کہتے ہیں:

یہ ہوائیں اڑنہ جائیں لے کے کاغذ کا بدن
نیند رکھو یا نہ رکھو خواب معیاری رکھو
لے تو آئے شاعری بازار میں راحت میاں
دوستو مجھ پر کوئی پتھر ذرا بھاری رکھو(65)

راحت کا مزاج چونکہ حد درجہ تجزیاتی، عقلی اور استدلالی رہا تھا اس لیے ایک مرحلے پر وہ مابعد الطبیعیات سے کچھ اکتاہٹ بھی محسوس کرنے لگتا تھا کیونکہ اس سے، مثلاً "یہ ہوائیں اڑنہ جائیں لے کے کاغذ کا بدن" اسے مسائل کی عملی صورتوں میں ان معاملات کی اصل قدر و قیمت جانچنے کے لیے نظری تحقیق کی طرف رجوع کرنا پڑ جاتا تھا۔

راحت کی شعری و تمثیلی ایک روشن اور مستحکم ابلاغی امکانات کی حامل ہے—اس لئے اس کا اسلوبیاتی پیرایہ باغیانہ نہیں انقلابی ہے—اس کا انسلاک تلقین و ترغیب کی پائیدانوں سے بلند تر ہو کر اظہار و ترسیل کو عبرت وادراک ادا کرتا ہے—آفاقی سطح پر اس کا لہجہ ءطناز ہدف طنز کو مایوس و نامراد نہیں بلکہ مضطرو بے قرار کر دیتا ہے مگر ذاتیات کے آئینہ خانوں میں عکس در عکس اس کا وجدان اپنے ریشہ ءگل کی تیشہ زنی اور سفاکیت سے بہرہ ور ہے—

حقیقت پسندی میں نئے زاویئے تلاش کرنا راحت کا خاصہ ہے—ان کی غزلوں میں موضوعات کی وسعت تو ہے ہی، اختصار میں جامعیت کا زور بھی ہے—الفاظ کے موثّر استعمال سے مضمون آفرینی کے حسن میں اضافہ ہوا ہے—الفاظ سے تصویر بنانے کا ہنر راحت کے یہاں قدرتی ہے—ہم ملاحظہ کرتے ہیں:

رشتوں کی دھوپ چھاؤں سے آزاد ہو گئے
اب تو ہمیں بھی سارے سبق یاد ہو گئے
آبادیوں میں ہوتے ہیں برباد کتنے لوگ
ہم دیکھنے گئے تھے تو برباد ہو گئے
میں پربتوں سے لڑتا رہا اور چند لوگ
گیلی زمین کھود کے فرہاد ہو گئے

بیٹھے ہوئے ہیں قیمتی صوفوں پہ بھیڑیے
جنگل کے لوگ شہر میں آباد ہو گئے
لفظوں کے ہیر پھیر کا دھندہ بھی خوب ہے
جاہل ہمارے شہر میں استاد ہو گئے (66)

اسی غزل میں "رشتے، دھوپ، چھاؤں، آزاد، سبق، آباد، برباد، لڑنا، لوگ، بھیڑے، جنگل، شہر، جاہل، استاد" تکرار بھی راحت کی نگاہ میں ہے اور اس کی نگاہ ایک متوازن حقیقت پسندی کی نگاہ ہے۔ راحت کی غزلوں میں سماجی حقیقت پسندی کی مثالوں کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں، ان کی رائے معتدل اور ان کا اندازِ نظر متوازن رہتا تھا۔ حقیقت پسندی کی تعریف میں یہ پہلو شامل ہے کہ کوئی امر یا کوئی مظہر جو ایک شخص کی نظر میں حقیقت ہو اسے ساری دنیا کی حقیقت تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ حقیقت پسند مظاہر، عناصر، امور، معاملات اور واقعات اپنی نظر سے دیکھ سکتا ہے۔

راحت کی غزلوں میں نصیحت و پیغام روح کو جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کا جذبہ اپنے منفرد انداز میں نظر آتا ہے، تاریخ کی روشنی میں صداقت تسلیم کرتے ہوئے راحت جب قوموں کے زوال کا ذکر کرتا ہے شعر میں تاریخ کی تصویر سامنے آنے لگتی ہے— مفہوم جذبات و کیفیات کے ساتھ ابھرتا ہے جس میں نصیحت کا پہلو بھی ہے اور پیغام بھی (٦٧)-انہوں نے کہا:

بیمار کو مرض کی دوا دینی چاہیے
میں پینا چاہتا ہوں پلا دینی چاہیے
اللہ برکتوں سے نوازے گا عشق میں
ہے جتنی پونجی پاس لگا دینی چاہیے
دل بھی کسی فقیر کے حجرے سے کم نہیں
دنیا یہیں پہ لا کے چھپا دینی چاہیے
میں خود بھی کرنا چاہتا ہوں اپنا سامنا
تجھ کو بھی اب نقاب اٹھا دینی چاہیے (68)

"بیمار، مرض، دوا، اللہ، برکت، عشق، فقیر، دل، دنیا، خود، نقاب" ان الفاظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ راحت اپنا انفرادی طرزِ احساس و طرزِ اظہار رکھنے کے باوجود بھی روایتی طرزِ احساس و اظہار کرتا ہے۔ اور ان کی انفرادی صلاحیت اپنے آپ کو مسلسل اور تواتر کے ساتھ ظاہر کرتا رہا۔ یہاں غور طلب یہ ہے کہ راحت اندوری نے اس غزل کے تشخص کو پہچانا اور کلاسیکی غزل کے رموز و علائم سے آگاہی حاصل کی، اور غزل کی روایت کو اپنی شخصیت میں اس طرح اور اس قدر جذب کر لیا کہ بذات خود روایتی غزل کے اثرات سے نکلنے کے لیے بھی انہیں ایک دوسری قسم کی ریاضت کے عمل سے گذرنا پڑا۔ انہوں نے کلاسیکی شاعری سے بغاوت نہیں کی بلکہ کلاسیکی روایت کے رچاؤ کے اندر رہتے ہوئے منفرد احساس رکھنے والی غزل کہی۔

اردو شاعری میں ابتدا سے زندگی کے فلسفے پر شعر کہے جاتے رہے ہیں—انسان کے لئے اس سے اہم کون سا موضوع ہو سکتا ہے—راحت نے بھی زندگی اور موت کے سچے تعلق کو شعر میں پیش کر کے اس موضوع کی اہمیت کو بنائے رکھنے میں خود کو شریک رکھا ہے—سچے شاعر کا دل حساس اور جذبہ ءخودداری سے لبریز ہونا لازمی ہے—جذبہ ءخود داری کے بغیر شاعر مکمل نہیں ہوتا—

موت لمحے کی صدا زندگی عمروں کی پکار
میں یہی سوچ کے زندہ ہوں کہ مر جانا ہے
نشہ ایسا تھا کہ مے خانے کو دنیا سمجھا
ہوش آیا تو خیال آیا کہ گھر جانا ہے
مرے جذبے کی بڑی قدر ہے لوگوں میں مگر
میرے جذبے کو مرے ساتھ ہی مر جانا ہے (69)

یہ تمام مصرعے اور حوالے راحت کی حقیقت پسندی کا پتا دیتے ہیں۔ راحت کے نزدیک تو شعری تجربہ بظاہر ناقابل یقین یا غیر مرئی عقلی تجربات کو واقعیت میں بدل دیتا ہے، فلسفہ انسانی عقل کی تجربات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ شاعر آتا ہے اور اپنے سوزِ دل سے اور کسی تجربے کو کوئی شاعر یوں پیش کرے کہ وہ اصلی، سچا اور حقیقی لگے تو ایسے شاعر کو حقیقت نگاروں میں شامل کر لیا جائے گا۔ " موت، زندگی، پکار، سوچ، زندہ، مر جانا، نشہ، مے خانہ، دنیا، ہوش، خیال، جذبہ، قدر، گھر،

لوگ"اسی طرح صوفیانہ واردات یا روحانی تجربے کو بھی تخلیقی فنون میں پیش کرنے کی راہ نکل آتی ہے جسے مابعد الطبیعاتی یا روحانی حقیقت پسندی بھی کہا جا سکتا ہے۔اسے اس لیے بھی حقیقت پسندی ہی کہنا چاہیے کہ اسے بیان کرنے والا اسے صدق دل سے حقیقی، گہرا اور اصلی سمجھتا ہے اور وہ اپنے زورِ بیان سے اور سوزِ دروں سے اسے اس طرح پیش کرنے پر قادر ہوتا ہے کہ وہ اصلی اور حقیقی معلوم ہو،اس ضمن میں یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صرف خنجر ہی نہیں آنکھوں میں پانی چاہئے
اے خدا دشمن بھی مجھ کو خاندانی چاہئے
شہر کی ساری الف لیلائیں بوڑھی ہو چکیں
شاہزادے کو کوئی تازہ کہانی چاہئے
میں نے اے سورج تجھے پوجا نہیں سمجھا تو ہے
میرے حصے میں بھی تھوڑی دھوپ آنی چاہئے
میری قیمت کون دے سکتا ہے اس بازار میں
تم زلیخا ہو تمہیں قیمت لگانی چاہئے(70)

ان اشعار سے ملاحظہ ہوتا ہے کہ راحت نے تاریخ کا صرف مطالعہ ہی نہیں بلکہ تاریخی حالات، واقعات اور کرداروں کا اپنے علم و فضل کی روشنی میں تجزیہ بھی کر رکھا تھا۔ راحت کی زندگی کا کوئی لمحہ بے کار نہیں گزرا اس لیے اس کے ہاں افکار، نظریات اور خیالات کی کثرت ہے لیکن اس کے افکار کی کثرت میں ایک وحدت بھی مضمر ہے اور وہ ہے حقیقت پسندی اور حقیقت نگاری۔ راحت نے صرف حقیقت نگاری ہی نہیں کی بلکہ اس تصور میں براہِ راست شعوری اور غیر شعوری طور پر گراں بہا اور قابل قدر اضافے کیے ہیں، کیونکہ وہ صحیح معنوں میں ایک آزادانہ، غیر جانبدارانہ اور محققانہ نظر رکھتا ہے۔ وہ کسی کی اندھا دھند تقلید نہیں کرتا بلکہ حقیقتوں کو اپنی نظر سے دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ وہ ایک حقیقت پسند ہے مگر مثالیت پسند بھی ہے۔ تاہم اس کی مثالیت پسندی میں انتہا پسندی نہیں، توازن پایا جاتا ہے۔

راحت کی غزلوں میں جابجا یہ جذبہ نظر آتا ہے۔ راحت کی شاعری میں طنز کا پہلو اپنی منفرد پہچان رکھتا ہے اور کہیں کہیں تو انسانی جذبہ کو بیدار کرنے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ شاعری اور خصوصاً غزل کا تعلق دل کی ان کیفیات سے ہوتا ہے جو حادثات و واقعات کی محرک ہوتی ہیں۔ غزل کا سب سے پر اثر موضوع یہی ہے۔ اصل میں اس کیفیت کے اشعار

کا تعلق عموما" حقیقت پسندی" سے ہوتا ہے جس میں دل کی آواز الفاظ کا روپ دھارتی ہے۔ راحت کی غزلوں میں کرب کی الگ شناخت ہے۔

کلام کی کسی ایک خوبی یا خامی سے کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ مختلف زاویوں سے شاعری کا تجزیہ کرنے کے بعد ہی شاعر کی قدر وقیمت کا پتہ چلتا ہے۔ راحت کی غزل گوئی میں زبان سلیس اور رزومرہ سے مزین ہے، یہ عربی اور فارسی کے الفاظ سے بوجھل نہیں ہے۔ محاورے کا جا بجا استعمال شعروں میں سلاست کی چاشنی بھر دیتا ہے۔ تغزل کی روشنی سے بیش تر کلام منور ہے ۔ گو کہ حالات حاضرہ کی بے رحمی نے لہجے کو تلخ ضرور بنا دیا ہے۔

مقالے کے نتائج:

- اردو ادب کے مذکورہ بالا ناموں کے علاوہ دیگر مصنفین نے بھی اپنی تحریوں کے ذریعے حقیقت پسندی کو بامِ عروج تک پہنچایا جن کے نام مضمون کی طوالت سے بچتے ہوئے نہیں لکھے جا رہے البتہ ان میں سے کچھ نام یہ ہیں "راحت اندوری" جن کی شاعری حقیقت پسندی کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کو بطور آلہ کے استعمال کرتے ہوئے سماجی حالات، اور مذہبی، سیاسی پادریوں کے کیے جانے والے ظلم و ستم کے خلاف آواز اُٹھائی، اس حوالے سے اُن کی غزلیں کافی مشہور ہیں۔
- راحت اندوری کا کردار بھی حقیقت نگاری کے حوالے سے کلیدی مانا جاتا ہے۔ انہوں نے خاص طور پر دیہی زندگی کو اجاگر کیا اور اپنی تحریروں میں دکھایا کہ عورت کو محبت اور سماجی بندشوں کے نام پر کتنی مصیبتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
- راحت نے اپنے نالوں میں غریبوں، محتاجوں اور لاچاروں پر سرمایہ دارانہ، غیر مسلم سیاسی قوتوں، اور مقتدر و متسلط طبقے کی طرف سے کیے گئے مظالم اور استحصال کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا۔
- حقیقت پسندی نے ناصرف قدیم ادب کو ترقی دیتے ہوئے معاشرے کی تعمیر دی بلکہ اس کی اہمیت کی حامل واضح مثالیں موجودہ ادب میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔
- راحت کی شاعری اپنے گردو پیش سے مواد لیتی ہے۔ راحت کی غزلوں میں حقیقت پسندی اور موجودہ عہد آپ کو سانسیں لیتا ہوا نظر آئے گا۔ راحت کسی حادثے یا واقعے کو بڑی خوبصورتی سے اپنے اشعار کا حصہ بنا لیتے ہیں اور یہ

شاعرانہ احساس ملک کی دبی کچلی عوام کے دل کی آواز بن جاتا ہے۔ راحت کا یہ احتجاجی انداز ملک کے کروڑوں لوگوں کو بھاجاتا ہے اور سیاست داں و عوام راحت کے اشعار کو اپنی آواز بنا کر پیش کرتے ہیں۔

- در حقیقت، حقیقت پسندی نے زندگی کے فلسفے کو سمجھنے میں آسانی فراہم کی۔
- حقیقت پسندی نے اُن انسانی، اخلاقی قدروں کی پامالی کی طرف معاشرے کے فرد کی توجہ دلائی جن کے بارے میں عام طور پر فرد سنجیدہ نہ تھا، اور گردن تک سماجی برائیوں میں دھنسا ہوا تھا۔
- بلاشبہ حقیقت پسندی ادب میں آئینہء خانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔
- راحت کی حقیقت پسندی میں زندگی کے حقائق کو قبول کرنے اور حقیقت کے حق کی حمایت کرنے کی صفت، وہ فلسفیانہ نظریہ جو خلاصہ تصورات اپنے ناموں سے آزاد ہیں-
- انیسویں صدی کے فرانس میں ایک فنکارانہ تحریک فنکاروں اور مصنفین نے حقیقت پسندانہ تفصیل کے لئے جدوجہد کی-

اختتام

اس بحث سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ راحت اندوری کی غزل گوئی دور حاضر کے افق پر بتدریج بلندی پر گامزن ہے—موضوعات کے انتخاب میں راحت نے اپنی الگ پہچان بنائی ہے—سماج کی سچی تصویر، مرض کی پہچان اور علاج کی سعی کرنے میں راحت کو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور حوصلہ اپنی گھن گرج کے ساتھ غزل رگوں میں دوڑتا نظر آتا ہے—ان کی شاعری مایوسی کے فقدان سے وجود میں آئی ہے— مشکلات میں بھی دلیرانہ پہلو تلاش کرنا ان کا فطری خاصہ ہے—فرسودہ روایات سے بغاوت ان کی عادت اور طنز کے نشتر لگا کر قوم وانسانیت کو بیدار کرنا ان کی حکمت ہے—فکر میں بلندي کے زور سے راحت کی تخلیقی کاوشوں کی چمک اور بڑھی ہے—راحت کی تمام شعری صلاحیتیں غزل پر مرکوز نظر آتی ہیں—یہ امر جہاں راحت کے لئے مفید ہے وہیں صنف غزل کے لئے بھی مبارک و خوش آئیند ہے—

حقیقت پسندی کے رجحان کے صف اول کے شعرا میں نام راحت اندوری کا آتا ہے۔ انہوں نے اسی مدت کو غنیمت جان کر جدید غزل کی طرح ڈال دی اور اردو غزل کا دامن نئے معانی و تراکیب سے وسیع کر دیا۔ ان کی شاعری کی سطحیں جدید عناوین اور رجحانات سے میل کھاتی ہیں۔ ان کی غزلوں کا آہنگ خون کی دھار میں ڈوبا ہوا اور شعری ساز شعلہ

وشبنم، شیشہ و تیشہ اور جگر پاش تھا۔ لطف تو یہ ہے کہ ان کی یہ کربناک کی قدیم روایت سے بالکل ہٹ کر جدید لب لہجے میں تھیں جو جدید شعرا کی اہم خصوصیت ہے۔

راحت کی حیثیت جدید غزل نگاری میں نمایندہ شاعر کی ہے۔ چوں کہ انھوں نے بہت پہلے حقیقت پسندی کے رجحان کے تحت لکھی جانے والی شاعری کی ابتدا کر دی تھی۔ راحت اندوری کی باضابطہ جدید غزل کو اس رجحان سے متعلق کئی سال ملے، مگر اس کے باوجود ان کی شاعری، فکری، فنی اور نئے و نادر امتیاز و انفرادیت کی بدولت جدید غزل کا جلی عنوان تھی۔

ان کی شعری، فنی اور فکری جہات نے جدید غزل کے رجحان سے پہلے ہی اس کی نمایندگی شروع کر دی تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ ان کے کلام کا طرز فغاں، عناوین اور موضوعات فرسودہ روایت اور تقلید سے بالکل ہٹ کر جدید احساس و فکر لیے ہوئے ہیں۔

راحت اندوری جیسے شاعر پر مجھ جیسی غیر اہل زبان کے لیے لکھنا یوں بھی مشکل ہے کہ ان کی شاعری کی کئی جہتیں ہیں اور ان کی شاعری کے کس پہلو پر قلم اٹھایا جائے یہ بہت دقت طلب ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا کہ بہت اچھا شاعر بہت زیادہ مقبول بھی ہو۔ راحت ایسے اکیلے شاعر تھے جنھیں نہ صرف غیر معمولی مقبولیت و شہرت نصیب ہوئی بلکہ ان کی شاعری اور ان کی غزلیں بھی بے حد معیاری ہیں۔ ان کی غزلیں آپ پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ ہر غزل پہلے والی غزل سے بہتر ہے اور اگر راحت کے دس بہترین اشعار منتخب کرنے ہوں گے تو اس میں بھی مسئلہ ہے کہ کون سے اشعار کو رکھا جائے اور کسے نہیں کیوں کہ زندگی اور اس کی بے ثباتی کا شاید ہی کوئی پہلو ہوگا جس پر راحت کی نظر نہ گئی ہو اور اسے اپنے منفرد انداز میں نہ باندھا ہو۔ راحت نے اپنی دنیا خود تیار کی ہے، خود ہی کنواں کھودا ہے اور خود ہی پانی نکالا ہے۔

دراصل غزل کا طویل اور مستحکم سفر بذات خود منور روایات کا پیش خیمہ ہے — غزل اوصاف حمیدہ اور درخشندہ محاسن کا ایک لازوال خزانہ ہے — غزل کے خزینہ ء بے بہا میں ولی دکنی کا جمالیاتی شعور شعور ہے۔ غزل میں میر تقی میر کے درد دل کا دریائے فرات ہے — غزل میں مرزا سودا کا انبساطی آہنگ ہے — غزل میں خواجہ میر درد کے رنگ تصوف کا نور سحر ہے — غزل میں مرزا غالب کی فکری عبقریت۔ غزل میں حضرت ناسخ کی بو قلمونی اور ہمہ رنگی ہے — غزل میں مصحفی کی قادرالکلامی ہے — غزل میں آتش لکھنوی کی مرصع سازی ہے — غزل میں مومن خان مومن کے سحر حلال کی معجز نمائی ہے — غزل میں اقبال کی آفاقیت ہے — غزل میں حالی کی ثقافتی سرگرمیاں ہیں۔ غزل میں چکبست کا جذبہ ء حریت ہے —

غزل میں حسرت موہانی کا صحتمند تغزل ہے۔غزل میں فانی کا نشاطِ غم ہے۔غزل میں ناصر کاظمی کی رمزیت ہے۔غزل میں بشیر بدر کی غنائیت ہے اور غزل میں راحت کی تلمیحاتی پیکر تراشیاں ، قلندرانہ شان، تفو قانہ محرکات، نادر استعارات، تابندہ اسلوب، انفرادی زاویہ ء نگاہ، عمیق مشاہدہ، شاعرانہ اخلاص اور حقیقت نگار بدرجہ ءاتم ہے جو اسے معاصرین، متوسلین اور متقدمین میں ممتاز و منفرد کرنے کے لئے کافی ہے۔ لاریب راحت اندوری اردو کا ایک غیور نابغہ ءروزگار اور عبقری سخن ور ہے۔

الھوامش :

1 - علامہ محمد اقبال : ولادت 9 نومبر 1877ء - وفات 21 اپریل 1938ء، بیسویں صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔ اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی ان کی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف تھا۔ علامہ اقبال کو دور جدید کا صوفی سمجھا جاتا ہے۔ بحیثیت سیاست دان ان کا سب سے نمایاں کارنامہ نظریۂ پاکستان کی تشکیل ہے، جو انہوں نے 1930ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔ یہی نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ اسی وجہ سے علامہ اقبال کو پاکستان کا نظریاتی باپ سمجھا جاتا ہے۔ گو کہ انہوں نے اس نئے ملک کے قیام کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن انہیں پاکستان کے قومی شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔ حافظ سید حامد جلالی، علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، 1998ء، ص18-

2- فقیر سید وحیدالدین: روزگارِ فقیر (جلد دوم)، کراچی، بار دوم، 1965، ص94-

3- اصلی لفظ حقیقت پسندی: realism (انگریزی) یہ لاطینی زبان سے ماخوذ ہے۔ فلسفہ میں اس کا ترجمہ حقیقت پسندی ہے ۔ رومانویت کے رد عمل کے طور پر ، اور مثبتیت پسندی سے متاثر ہوکر ، اس سے مراد وہ آرٹ تھیوری ہے جو 19 ویں صدی میں ہوا تھا۔ بصری فنون میں ، وہم پسندانہ حقیقت پسندی زندگی کی شکل، تناظر ، اور روشنی اور رنگ کی تفصیلات کی درست عکاسی ہے۔ لیکن حقیقت پسندی یا فطرت پسندی کا فن فن کے ساتھ ساتھ یا وہم پسندانہ حقیقت پسندی کی بجائے ، اپنے موضوع میں" حقیقت پسند "ہوسکتا ہے، اور اس بدصورت، بدصورت یا سخت پر زور دے سکتا ہے۔ یہ انیسویں صدی کی حقیقت پسندی کی تحریک ہے جو 1850 کے فرانسیسی انقلاب کے بعد 1850 میں فرانس میں شروع ہوئی تھی، اور معاشرتی حقیقت پسندی ، علاقائیت یا باورچی خانے کے سنک حقیقت پسندی کی بھی ۔ حقیقت پسند مصوروں نے رومانویت کو مسترد کردیا ، جو 18 ویں صدی کے آخر میں فرانسیسی ادب اور فن پر حاوی ہوا تھا۔ دوسرے فنون لطیفہ میں حقیقت پسندی کو راغب کرنے والی مختلف تحریکیں چل رہی ہیں ، جیسے اوپیرا اسٹائل آف ویرمو ، ادبی حقیقت پسندی، تھیٹر ریئلزم، اور اطالوی نیورالیسٹ سنیما۔(اردو انسائیکلوپیڈیا، اردو کتابیں، حقیقت پسندی ، زبان کے وسائل، Copyright © VOYAGE MARKETING, Inc. All Rights Reserved.)

4 - ہندوستانیوں کی انگریز کے خلاف پہلی آزادی کی مسلح جنگ۔ انگریزوں نے اس جنگ کو غدر کا نام دیا۔ عموماً اس کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے اور کئی ریاستیں یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں شامل کر لی تھیں۔ جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دل میں کمپنی کے متعلق شکوک پیدا ہو گئے۔ دوم یہ کہ ان دنوں جو کارتوس فوجیوں کو دیے

جاتے تھے۔ وہ عام خیال کے مطابق سور اور گائے کی چربی سے آلودہ تھے اور انھیں بندوقوں میں ڈالنے سے بیشتر دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ ہندو اور مسلمان فوجی سپاہیوں نے اسے مذہب کے منافی سمجھا اور ان میں کھلبلی مچ گئی۔ جن سپاہیوں نے ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا ان کی فوجی وردیاں اتار کر انھیں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ ان قیدیوں مین بہت سے ایسے تھے جنہوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں۔ کارل مارکس—فریڈریک اینگلس، ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی 1857ء تا 1859ء، دار الاشاعت ترقی، ماسکو، 1986ء، ص6-

5- فیض احمد فیض: پیدائش :١٣ فروری ١٩١١ء –وفات :٢٠ نومبر ١٩٨٤ء (غالب اور اقبال کے بعد اردو کے سب سے عظیم شاعر ہیں۔ آپ تقسیم ہند سے پہلے ١٩١١ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ انجمن ترقی پسند مصنفین تحریک کے فعال رکن اور ایک ممتاز اِشتراکیت سٹالنسٹ فکر کے کمیونسٹ تھے۔ وصی احمد سندیلوی، انقلابی شاعر فیض احمد فیض، نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ، لکھنؤ، 1977ء، ص8-

6- فراق گورکھپوری: پیدائش 28 :اگست 1896ء – وفات 3 :مارچ 1982ء (مصنف، ادیب، نقاد اور شاعر تھے۔ اُن کا شمار بیسویں صدی کے اردو زبان کے صفِ اول کے شعرا میں ہوتا تھا۔ ان کا اصل نام رگھو پتی سہائے تھا۔ عزیز نبیل، فراق گورکھپوری، شخصیت، شاعری اور شناخت، شاہد پرنٹرس اینڈ پبلیشرز، الہ آباد، جنوری 2014ء، ص10-

7- طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، الف پبلی کیشنز، خضرآباد، کھجرانہ، نرمل گرافکس، اندور، انڈیا، 2002ء-ص353-

8- طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، ایک سابق حوالہ-ص353-

9 - Hindustan Times: ناشر — 2020 اخذ شدہ بتاریخ: 12 اگست — HT Media

10 - www. Amazon.in.

11 - www. Amazon.in.

12- https://www.urdupoint.com/daily/search.php

13)Mumtaz Ahmed(Professor): Literary Criticism, Ch. Ghulam Rasool and Sons, Lahore, 1989; P598.

14) سہیل احمد خان، محمد سلیم الرحمن (ڈاکٹر): منتخب ادبی اصطلاحات؛ شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، 2005، ص162-163-

15- معروف محقق ڈاکٹر شکیل پتافی اپنی کتاب '' اردو ادب اور مغربی رجحانات''میں لکھتے ہیں کہ حقیقت نگاری کی ابتداء شان فلیوری کی تحریروں سے شروع ہوئی ۔ اس کی قابل ذکر تصنیف"Violon Defaience" ،1862ء میں شائع ہوئی مگر فرانس میں یہ تحریک بہت جلد فطرت نگاری کی تحریک میں ضم ہو گئی اور مگر شان فلیوری کا بطور مصنف مرتبہ اتنا اونچا نہیں بتایا گیا۔ اسی لیے حقیقت نگاری کے بانی انیسویں صدی عیسوی کے عظیم فرانسیسی ناول نگار فلابیر

(1821_1881ء) کو مانا گیا۔ فلابیر کے شہرۂ آفاق ناول ''مادام بواری ' کی اشاعت1858 ء کے بعد فلابیر کو حقیقت نگاری کا مفسرِ خاص مانا گیا۔ارشد عزیز اور دیگر محققین کے مطابق حقیقت نگاری کی ابتداءHondre Blazerکے ہاتھوں1850 ء کے آس پاس فرانس میں ہوئی۔اُس نے پہلی بار ادب کی تاریخ میں اپنے ناول "Lacomedie Humaine"کے ذریعے فرانس کی سماجی زندگی کا حقیقی عکس پیش کیا۔اس کے بعد اُس کی روایت سے متاثر ہو کر بہت سارے مصنفوں اور ناول نگاروں نے اس روایت کو مضبوط کیا۔جن میں Gustava Flaubert, Feredick Angles, EricRohiner, Charles Dickens,اور Emile Zola وغیرہ کا نام قابل ذکر ہیں- شکیل پتافی(ڈاکٹر)، اردوادب اور مغربی رجحانات،اردو سخن،لاہور،پاکستان،2016،ص76-

[16]- شکیل پتافی(ڈاکٹر)،اردوادب اور مغربی رجحانات،پچھلا حوالہ،ص77-

[17] - Mumtaz ahmed(Professor): op.cit. P.598.

[18]- ہنورڈی بالزاک(1799-1850)(Honore De Balzac) کا شمار انیسویں صدی کے مشہور فرانسیسی ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔باپ کی خواہش پر اس نے وکالت کی تو سہی لیکن اس پیشے کو دل سے قبول نہ کر سکا۔اسے بطور سزا گزر بسر کے لیے معمولی رقم دے کر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اکیلا چھوڑ دیا گیا۔انتہائی مایوسی اور افسردگی کے ان دنوں میں بالزاک نے ناول اور المیہ کہانیاں لکھنے کا آغاز کیا۔1820 ء سے 1822 ء کے دوران میں اس ماحول میں لکھی ہوئی تخلیقات کا مجموعہ Oeuvres de Jeunesse ہے۔تب تک وہ ایک ناکام،گمنام اور مقروض شخص تھا۔یہاں سے وہ برٹینی(Britany) چلا گیا اور اس نے ایک باغیچے کو اپنا بسیرا کر لیا جو فانگرس (Fougeres)کے قریب واقع تھا۔اس کا پہلا سنجیدہ ناول Les Chovans تھا جس میں دیہاتی ماحول اور طرزِ معاشرت کی منظر کشی کی گئی تھی۔واقعیت نگاری میں انسانی زندگی، تلخی اور المیے کی آمیزش اس ناول کا خاص پہلو تھا۔حقیقت نگاری رومانویت کے متضاد خیال کی جاتی ہے۔ اس کا اظہار اس کی کتابPhysiologie of Marraige میں ہوتا ہے۔
.Mumtaz ahmed(Professor): op.cit. P.597

[19]- استے دال(1783-1842) کا اصل اور پورا نام میری ہنری بیلے(Marie Henry Beyle)تھا لیکن وہ معروف استے دال(Stendhal) کے نام سے ہوا۔وہ فرانس میں گرینوبل(Grenoble) کے مقام پر ایک وکیل کے گھر پیدا ہوا۔بارہ سال تک ایک پادری اسے گھر پر بطور اتالیق پڑھاتا رہا۔اس کے بعد اس کی باقاعدہ تعلیم ایک مقامی سکول میں ہوئی۔سترہ برس کی عمر میں وہ پیرس منتقل ہوا اور بعدازاں فوج میں بھرتی ہو گیا۔اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ اٹلی میں گزرا۔جب نپولین کو شکست ہو گئی تو وہ نئے حکومتی نظام سے سمجھوتہ نہ کر پایا اور اس نے دوبارہ اٹلی کے شہر میلان کا رخ کیا لیکن اطالوی وطن پرستوں کی ایک تنظیم سے تعلق کی بنا پر1811ء میں اسے میلان سے نکال دیا گیا۔یوں اسے پیرس واپس آنا پڑا۔پیرس کے ادبی حلقوں نے جنھیں سیلون(Salon) کہا جاتا ہے،اس کا خیر مقدم کیا۔وہ کونسل کی حیثیت سے بھی کام کرتا رہا۔اس کا انتقال پیرس ہی میں ہوا۔

Mumtaz ahmed(Professor): op.cit. P.598.

[20]-گستاف فلائبیر(1821-1880)(Gustave Flaubert) ایک سرجن کا بیٹا تھا۔ وہ فرانس میں روئین(Roven) کے مقام پر پیدا ہوا اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ قانون پڑھنے کے لیے اس نے پیرس کا رخ کیا لیکن اسے ذاتی طور پر قانون سے کوئی رغبت نہ تھی۔ 1846ء میں اسے اپنے والد اور بہن بھائی سے دائمی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا اور وہ پیرس چھوڑ کر کروہاں سے Crosset چلا آیا اور اس کے بعد باقی زندگی وہیں گزاری۔ اس نے ساری زندگی شادی نہیں کی البتہ 1854ء سے 1864ء تک اس کا اس کے عہد کی ایک نامور شاعرہ لوئز کولے(Mile Louise Colet) سے دھواں دھار معاشقہ چلا۔ دونوں میں محبت بھرے خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا اور اب یہ خطوط فرانسیسی ادب کی تاریخ کا حصہ ہیں ورنہ اس کی زندگی جذبات سے بہت حد تک خالی تھی۔ 1849ء میں اسے یونان اور مصر کی سیاحت کا موقع ملا اور وہ ان دونوں ممالک کی قدیم ثقافت اور روایات سے بہت متاثر ہوا۔

Mumtaz ahmed(Professor): op.cit. P.599

[21]-چارلس ڈکنز یا چارلز ڈکنز، انگلستان کا مشہور ناول نویس تھا، 7 فروری 1812ء کو لینڈپورٹ برطانیہ میں پیدا ہوا- 8 جون 1870ء کو اس کا کینٹ برطانیہ میں انتقال ہو گیا- ur.m.wikipedia.org

[22]-نکولائی واسیلیوچ گوگول(1809- 1852ء) ایک زبردست روسی مصنف تھا- گوگول روسی ادب میں تنقیدی حقیقت پسندی کے اسلوب کا بانی اور دنیا کے سب سے بڑے طنز نگاروں میں سے ایک ہے- ur.m.wikipedia.org

[23] - کونٹ لیو نیکولائی فیتیچ ٹالسٹائی(9 ستمبر 1828ء– 20 نومبر 1910ء) ایک روسی مصنف، ناول نگار، ڈراما نگار، مضمون نگار اور فلسفی تھے- ur.m.wikipedia.org

[24] - دوستوفسکی(1821ء- 1881ء) روس کے نامور ناول نگار، افسانہ نگار اور فلسفی ہیں جن کی تخلیقات سے دنیائے ادب و فلسفہ کے بڑے بڑے نام متاثر نظر آتے ہیں- ur.m.wikipedia.org

[25]-سیموئل لینگ ہورن کلیمنز(30 نومبر 1835ء– 21 اپریل 1910ء) جو اپنے قلمی نام مارک ٹوین سے زیادہ معروف ہیں، ایک امریکی مزاح نگار، طنز نگار، مصنف اور مدرس تھے- ur.m.wikipedia.org

[26]-ہرمن میلول ایک امریکی ناول نگار، مختصر کہانی کے مصنف، نیویارک میں 1819ء کو ایک متوسط درجے کے خاندان میں پیدا ہوئے (1891ء میں قلبی امراض سے وفات پائی) —ہرمن میلول کی شہرہ آفاق ناول "موبی ڈک" پر مبنی ہے 1854ء میں ہالی وڈ کے ہدایت کار جان ہیوسٹن کی بنائی ہوئی فلم- ur.m.wikipedia.org

[27]-اردو انسائیکلوپیڈیا جلد 1، (ادبیات) قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی، 2003ء ص 224-

[28] - 1935ء میں اردو ادب میں ایک نئی تحریک نے جنم لیا اور ترقی پسند تحریک کے نام سے مشہور ہوئی ابتدا میں اس تحریک کا پرجوش خیر مقدم ہوا- ur.m.wikipedia.org

29 - ایک ادبی تحریک ہے جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں نمودار ہوئی–فرانسیسی ادیب ایملی زولا نے ناول نگاری کے لیے اس ادبی مسلک کو اختیار کیا-ادب میں تہذیبی مشن سے آزاد آدم فطری کی پیشکش یعنی آدم فطری کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کا دعوی فطرت نگاری کی نمایاں خصوصیات ہیں-ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1985ء، ص135-

30 - پریم چند اردو کا مشہور ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ان کا اصلی نام دھنپت رائے ہے، لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ 1880ء میں منشی عجائب لال کے وہاں ضلع وارانسی مرٹھوا کے گاؤں لماہی بنارس میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ایک ڈاک خانے میں کلرک تھے۔پریم چند ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ نے تقریباً سات آٹھ برس فارسی پڑھنے کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی۔پندرہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ایک سال بعد والد کا انتقال ہوگیا۔اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔پورے گھر بار کا بوجھ آپ پر ہی پڑ گیا۔فکر معاش نے زیادہ پریشان کیا تو لڑکوں کو بطور ٹیوٹر پڑھانے لگے اور میٹرک پاس کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔اسی دوران میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی- امرت رائے، پریم چند، ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، 1981ء، ص9-

31 - سید احمد بن متقی خان 17 اکتوبر 1817ء – 27 مارچ 1898ء - المعروف سر سید انیسویں صدی کا ایک ہندوستانی مسلم نظریۂ عملیت کا حامل، مصلح اور فلسفی تھے۔سر سید احمد خان ایک نبیل گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے مغل دربار کے ساتھ مضبوط تعلقات تھے۔سر سید نے قرآن اور سائنس کی تعلیم دربار میں ہی حاصل کی، جس کے بعد یونیورسٹی آف ایڈنبرا نے انہیں قانون میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ فرح جاوید (ڈاکٹر)، سر سید احمد خان: ایک مفکر اسلام، ایس ایچ آفیسٹ پرنٹرس، دہلی، 2011ء، ص8-

32 -سلیم سرمد، اُردو ادب میں حقیقت نگاری، ہماری ویب رائٹرز کلب، اخذ شدہ 23 اگست Hamariweb.com © 2020

33 -سلیم سرمد، اُردو ادب میں حقیقت نگاری، ایک سابق حوالہ، ص6-

34- برصغیر پاک وہند میں 1857ء کی ناکام جنگ آزادی اور سقوطِ دہلی کے بعد مسلمانان برصغیر کی فلاح بہود کی ترقی کے لیے جو کوششیں کی گئیں، عرف عام میں وہ "علی گڑھ تحریک" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ سر سید نے اس تحریک کا آغاز جنگ آزادی سے ایک طرح سے پہلے سے ہی کر دیا تھا۔ غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔لیکن جنگ آزادی نے سر سید کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ان ہی واقعات نے علی گڑھ تحریک کو بار آور کرنے میں بڑی مدد دی۔لیکن یہ پیش قدمی اضطراری نہ تھی بلکہ اس کے پس پشت بہت سے عوامل کارفرما تھے۔ مثلاً راجا رام موہن رائے کی تحریک نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا۔ لیکن سب سے بڑا واقعہ سقوطِ دلی کا ہی ہے۔اس واقعے نے ان کی فکر اور عملی زندگی میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔اگرچہ اس واقعے کا اولین نتیجہ یا رد عمل تو مایوسی، پژمردگی اور ناامیدی تھا تاہم اس واقعے نے ان کے اندر چھپے ہوئے مصلح کو بیدار کر دیا۔علی گڑھ تحریک کا وہ بیج جو زیر زمین

پرورش پارہا تھا اب زمین سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگا۔ چنانچہ اس واقعے سے متاثر ہو کر سر سید احمد خان نے قومی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا۔ نسیم قریشی، علیگڑھ تحریک آغاز تا امروز، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، مسلم پریس لکھنؤ، 1960ء، ص14-

35- سلیم سرمد، اُردو ادب میں حقیقت نگاری، ایک سابق حوالہ، ص7-

36 - سلیم سرمد، اُردو ادب میں حقیقت نگاری، ایک سابق حوالہ، ص7-

37 - سلیم سرمد، اُردو ادب میں حقیقت نگاری، پچھلا حوالہ، ص8-

38- سعادت حسن منٹو 11 مئی 1912 کو موضع سمبرالہ، ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد لدھیانہ کی کسی تحصیل میں تعینات تھے- دوست انہیں ٹامی کے نام سے پکارتے تھے۔ منٹو اپنے گھر میں ایک سہما ہوا بچہ تھا۔ جو سوتیلے بہن بھائیوں کی موجودگی اور والد کی سختی کی وجہ سے اپنا آپ ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ ان کی والدہ ان کی طرف دار تھیں۔ وہ ابتدا ہی سے اسکول کی تعلیم کی طرف مائل نہیں تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ 1921ء میں اسے ایم اے او مڈل اسکول میں چوتھی جماعت میں داخل کرایا گیا۔ ان کا تعلیمی کریئر حوصلہ افزا نہیں تھا۔ میٹرک کے امتحان میں تین مرتبہ فیل ہونے کے بعد انہوں نے 1931 میں یہ امتحان پاس کیا تھا۔ جس کے بعد انہوں نے ہندو سبھا کالج میں ایف اے میں داخلہ لیا لیکن اسے چھوڑ کر، ایم او کالج میں سال دوم میں داخلہ لے لیا- انہوں نے انسانی نفسیات کو اپنا موضوع بنایا۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے بہترین افسانے تخلیق کیے۔ جن میں ٹوبہ ٹیک سنگھ، کھول دو، ٹھنڈا گوشت، دھواں، بو شامل ہیں۔ ان کے کئی افسانوی مجموعے اور خاکے اور ڈرامے شائع ہو چکے ہیں۔ کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے 18 جنوری 1955ء ان کا انتقال ہوا۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki)

39- سہیل احمد خان۔ محمد سلیم الرحمن (ڈاکٹر): ایک سابق حوالہ، ص166-

40 - پنڈت رتن ناتھ ڈار سرشار 1846ء میں لکھنؤ برطانوی ہندوستان میں میں ایک کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابھی چار سال کے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ لکھنؤ ہی میں تعلیم حاصل کی اور عربی، فارسی اور انگریزی سے واقفیت حاصل کی۔ ایک اسکول میں مدرسی کی خدمات پر مامور ہوئے اور (اودھ اخبار) اور (مرسلہ کشمیری) میں مضامین لکھنے لگے۔ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے جلد ہی شہرت حاصل کر لی۔ اور 1878ء میں انہیں (اودھ اخبار) کا ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔ فسانہ آزاد لکھنے کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا۔ کچھ عرصہ تک الہ آباد ہائی کورٹ میں مترجم کی حیثیت سے کام کیا۔ 1895ء میں حیدر آباد چلے آئے۔ مہاراجا کشن پرساد نے دو سو روپے وظیفہ مقرر کیا اسی دوران میں اخبار (دبدبہ آصفیہ) کی ادارت کرتے رہے۔ آخر عمر میں شغل شراب نوشی حد سے بڑھ گیا چنانچہ اس عادت نے صحت پر برا اثر ڈالا اور 1903ء میں وفات پا گئے۔ مشہور تصانیف میں سیر کوہسار، جام سرشار، کامنی، خدائی فوجدار، فسانہ آزاد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے الف لیلہ کا فصیح و بلیغ اردو زبان میں ترجمہ کیا جو بذاتِ خود ایک شاہکار مانا جاتا ہے۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki)

41 - **مرزا محمد ہادی رسوا** 1857 ء تا 21 اکتوبر، 1931 ء (ایک اردو شاعر اور فکشن کے مصنف) بنیادی طور پر مذہب، فلسفہ اور فلکیات کے موضوعات پر گرفت رکھتے تھے۔ انہیں اردو، فارسی، عربی، عبرانی، انگریزی، لاطینی اور یونانی زبانوں میں مہارت تھی۔ ان کا مشہور زمانہ ناول امراؤ جان ادا 1905 ء میں شائع ہوا جو ان کا سب سے پہلا ناول مانا جاتا ہے۔ یہ ناول لکھنؤ کی ایک معروف طوائف اور شاعرہ امراؤ جان ادا کی زندگی کے گرد گھومتا ہے بعد ازاں ایک پاکستانی فلم امراؤ جان ادا (1972 ء) اور دو بھارتی فلموں، امراؤ جان (1981ء) اور امراؤ جان (2006ء) کے لیے بنیاد بنا۔ 2003 ء میں نشر کیے جانے والے ایک پاکستانی ٹی وی سیریل کی بھی بنیاد یہی ناول تھا۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki)

42 - **شمس العلماء خان بہادر حافظ ڈپٹی مولوی نذیر احمد** (ریاست حیدر آباد سے انہیں غیور جنگ کا خطاب دیا گیا تھا جسے انہوں نے قبول نہیں کیا۔ (پیدائش: 1836ء یا 6 دسمبر 1831ء وفات: 3 مئی 1912ء) ضلع بجنور کی تحصیل نگینہ کے ایک گاؤں ریہر میں پیدا ہوئے۔ ایک مشہور بزرگ شاہ عبدالغفور اعظم پوری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ کے والد مولوی سعادت علی غریب آدمی تھے اور یوپی کے ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki)

43 - (ڈاکٹر) سہیل احمد خان۔ محمد سلیم الرحمن (مؤلفین): ایک سابق حوالہ، ص۔ 164-165

44 - **نظیر اکبر آبادی** کا نام شیخ ولی محمد تھا۔ نظیر تخلص رکھ کر شاعری کی۔ 1746 میں دلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد فاروق تھا جو اپنے والد کی بارہ اولادوں میں سے صرف ایک ہی بچے تھے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والدہ کے ساتھ آگرہ منتقل ہو گئے اور محلہ تاج گنج میں مقیم ہوئے۔ ایک مکتب سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ طبیعت میں موزونیت فطرت سے ملی تھی اس لیے شاعری شروع کی۔ نظیر ایک سادہ اور صوفی منش آدمی تھے، ان کی ساری عمر معلمی میں بسر ہوئی۔ وہ قناعت پسند تھے، بھرت پور کے حکمرانوں نے دعوت نامے بھیجے پر انہوں نے قبول نہ کیے۔ وہ کسی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے، آخری عمر میں فالج کی حالت میں مبتلا ہوئے اور 1830 ء میں انتقال کر گئے۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ اردو کی نئی کتاب ہائی اسکول (اترپردیش) نصاب میں شامل کتاب میں نظیر صاحب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف کے ساتھ 1735/1732 لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki)

45 - شکیل پتافی (ڈاکٹر)، اردو ادب اور مغربی رجحانات، ایک سابق حوالہ، ص 79-

46 - **میر تقی میر**: پیدائش 28 : مئی 1723 ء — وفات 22 : ستمبر 1810 ء (اصل نام میر محمد تقی اردو کے عظیم شاعر تھے۔ میر ان کا تخلص تھا۔ اردو شاعری میں میر تقی میر کا مقام بہت اونچا ہے۔ انہیں ناقدین و شعرائے متاخرین نے خدائے سخن کے خطاب سے نوازا۔ وہ اپنے زمانے کے ایک منفرد شاعر تھے۔ میر تقی میر، آگرہ میں 1723 ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد علی تھا لیکن علی متقی کے نام سے مشہور تھے۔ اور درویش گوشہ نشین تھے۔ میر نے ابتدائی تعلیم والد کے دوست سید امان اللہ سے حاصل کی مگر مزید تعلیم سے پہلے جب میر ابھی نو برس کے تھے وہ چل بسے تب ان کے بعد ان کے والد نے خود تعلیم و تربیت شروع کی۔ مگر چند ماہ بعد ہی ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہاں سے میر کی زندگی میں رنج و الم کے طویل باب کی ابتدا ہوئی۔ (https://ur.wikipedia.org/wiki)

47 - خواجہ حیدر علی آتش خواجہ علی بخش کے بیٹے تھے۔ بزرگوں کا وطن بغداد تھا جو تلاش معاش میں شاہجہان آباد چلے آئے۔ نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں خواجہ علی بخش نے ہجرت کر کے فیض آباد میں سکونت اختیار کی۔ آتش کی ولادت یہیں 1778ء میں ہوئی۔(https://ur.wikipedia.org/wiki)

48 - شیخ غلام علی ہمدانی مصحفی: پیدائش 1748ء وفات 1824ء (اردو زبان کے کلاسیکی اور عہدِ قدیم کے شاعر ہیں۔ میر تقی میر کے بعد بحیثیتِ مجموعی اردو شاعری کے دورِ قدیم میں مصحفی، مرتبہ میں سب سے بلند ہے۔ ان کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شعری مزاج دہلی میں صورت پزیر ہوا لیکن لکھنو کے ماحول، درباری کے تقاضوں اور سب سے بڑھ کر انشا سے مقابلوں نے انہیں لکھنوی طرز اپنانے پر مجبور کیا۔ ان کا منتخب کلام کسی بھی بڑے شاعر سے کم نہیں۔ اگر جذبات کی ترجمانی میں میر تک پہنچ جاتے ہیں تو جرات اور انشا کے مخصوص میدان میں بھی پیچھے نہیں رہتے۔ یوں دہلویت اور لکھنویت کے امتزاج نے شاعری میں بیک وقت شیرینی اور نمکینی پیدا کر دی ہے۔(https://ur.wikipedia.org/wiki)

49 - نجم الدولہ، دبیر الملک، مرزا نوشہ اسداللہ خان غالب بہادر نظام جنگ 1797ء- 1869ء اردو زبان کے سب سے بڑے شاعروں میں ایک سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ 19ویں صدی غالب کی صدی ہے۔ جبکہ 18ویں میر تقی میر کی تھی اور 20ویں علامہ اقبال کی۔ غالب کی عظمت کا راز صرف ان کی شاعری کے حسن اور بیان کی خوبی ہی میں نہیں ہے۔ ان کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے حقائق اور انسانی نفسیات کو گہرائی میں جا کر سمجھتے تھے اور بڑی سادگی سے عام لوگوں کے لیے بیان کر دیتے تھے۔ غالب جس پر آشوب دور میں پیدا ہوئے اس میں انہوں نے مسلمانوں کی ایک عظیم سلطنت کو برباد ہوتے ہوئے اور باہر سے آئی ہوئی انگریز قوم کو ملک کے اقتدار پر چھاتے ہوئے دیکھا۔ غالباً یہی وہ پس منظر ہے جس نے ان کی نظر میں گہرائی اور فکر میں وسعت پیدا کی۔(https://ur.wikipedia.org/wiki)

50 - شکیل پتافی(ڈاکٹر)، اردو ادب اور مغربی رجحانات، ایک سابق حوالہ، ص82-

51- اردو شاعری کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں مناظر فطرت کی ترجمانی یا منظر نگاری، مغربی شاعری سے اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ یہ خیال 1857 کے بعد نشو ونما پانے والی شاعری کی حد تک تو درست معلوم ہوتا ہے لیکن دکنی اردو شاعری کے متعلق یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی۔ فطرت پرستی اور مناظر قدرت کی پیش کش کے آغاز کا سہرا غالباً محمد قلی قطب شاہؔ کے سر ہے مگر اس کی منظر نگاری بالکل ضمنی ہے۔ قطب شاہی دور کے شعرا میں غواصیؔ نے سب سے پہلے منظر نگاری کی طرف توجہ دی۔ منظر نگاری کے تحت فطرت کی کیف سامانیاں اور رنگینیاں بیان کی جاتی ہیں۔ منظر نگاری کے دلکش نمونے مثنویوں اور خاص کر 'سحر البیان' میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرثیہ میں بھی منظر نگاری کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں پیڑ پودے اور جنگل وغیرہ کا ذکر بے معنی ہے لیکن چہرے یا تمہید کے بندوں میں شعرا نے خوب خوب کمالات دکھائے ہیں۔ جنگ کے وقت منظر کا بیان تو سورج کی تمازت، ریت کی تپش اور لو، دھوپ کے تھپیڑوں تک محدود ہے لیکن اس محدود منظر میں بھی خاص کر انیسؔ نے ایسی گل کاریاں کی ہیں کہ موسم بہار کے مناظر بھی پھیکے پڑ جائیں۔(ابوالکلام قاسمی، شاعری کی تنقید، نئی دہلی؛ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۱۱ء۔ ص117).

[52]-طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)،ایک سابق حوالہ، ص111-

[53]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur.

[54]-طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)،ایک سابق حوالہ، ص111-

[55]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

[56]- طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)،ایک سابق حوالہ، ص115-

[57]- طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، پچھلا حوالہ، ص115-

[58] - طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، پچھلا حوالہ، ص115-

[59]-طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، پچھلا حوالہ، ص115-

[60]-طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)،ایک سابق حوالہ، ص116-

[61] -طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، پچھلا حوالہ، ص118-

[62]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

[63]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur.

[64]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur.

[65]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

[66]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

[67]-طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)،ایک سابق حوالہ، ص354-

[68]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

[69]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

[70]-https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur

حوالہ جات

1) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1985ء-
2) ابوالکلام قاسمی، شاعری کی تنقید، نئی دہلی؛ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۱۱ء۔
3) اردو انسائیکلو پیڈیا، اردو کتابیں، حقیقت پسندی، زبان کے وسائل، Copyright©VOYAGE MARKETING, Inc. All Rights Reserved.)
4) اشفاق حسین (ڈاکٹر)، اردو شاعری میں سوشلسٹ رجحانات بیسویں صدی، اسرار اکیڈمی پریس، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد، انڈیا، 1986ء-
5) امرت رائے، پریم چند، ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، نئی دہلی، 1981ء-
6) حافظ سید حامد جلالی، علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، 1998ء-
7) حبیب الرحمن شاستری، آئینہ حقیقت، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، انڈیا 1985ء-
8) راجندر ناتھ شیدا، ادبی رجحانات کا تجزیہ، آستانہ بک ڈپو، دہلی، انڈیا، 1956ء-
9) سید احمد قادری (ڈاکٹر)، شاعر اور شاعری (تنقیدی مقالات)، مکتبہ غوثیہ، بہار، ہند، 2007ء-
10) شکیل پتافی (ڈاکٹر)، اردو ادب اور مغربی رجحانات، اردو سخن، لاہور، پاکستان، 2016.
11) طارق شاہین، عزیز عرفان، لمحے لمحے (راحت اندوری شاعر اور شخص)، الف پبلی کیشنز، خضر آباد، کھجرانہ، نرمل گرافیکس، اندور، انڈیا، 2002ء-
12) عزیز نبیل، فراق گورکھپوری، شخصیت، شاعری اور شناخت، شاہد پرنٹرس اینڈ پبلیشرز، الہ آباد، جنوری 2014ء-
13) فرح جاوید (ڈاکٹر)، سر سید احمد خان: ایک مفکر اسلام، ایس ایچ آفیسٹ پرنٹرس، دہلی 2011ء-
14) فرحت اللہ انصاری، ادب اور تہذیب، آزاد کتاب گھر، دہلی، انڈیا، 1991ء-
15) فریڈریک انگلس، ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی 1857ء تا 1859ء، دار الاشاعت ترقی، ماسکو، 1986ء-
16) ممتاز حسین، ادب اور شعور، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، پاکستان، 1961ء-
17) نسیم قریشی، علیگڑھ تحریک آغاز تا امروز، علیگڑھ مسلم پریس، لکھنؤ، 1960ء-

18) نصیر الدین نصیر، حقیقت شاعری، اردو اکیڈمی یو کے لیمیٹڈ، مکتبہ لیل ونہار، یو کے، 1987ء۔

19) وصی احمد سندیلوی، انقلابی شاعر فیض احمد فیض، نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ، لکھنؤ، 1977ء۔

1. The Times of India2020اگست۔

2. Hindustan Times:ناشر— 2020اگست- — HT Media

3. " MP's Bollywood connection grows behind the camera" .India Today.ستمبر12, 2008. 25دسمبر2018میں اصل سے آرکائیو شدہ.

4. Mumtaz Ahmed(Professor): Literary Criticism, Ch.Ghulam Rasool and Sons, Lahore, 1989;

5. http://www.ikcollegeindore.org/aboutus.html

6. Barkatullah University Bhopal

7. https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/news18%20urdu-epaper-pradeurd/%20-newsid-n205681824?s=a&uu=0xc384bc8d3481ba6c&ss=wsp

https://www.rekhta.org/ghazals/bair-duniyaa-se-qabiile-se-ladaaii-lete-rahat-indori-ghazals?lang=ur